جولائی ۱۹۹۰ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

پاکستان کا مستقبل
روشن یا تاریک؟

امیر تنظیم اسلامی کا ایک فکر انگیز خطاب

یکے از مطبوعات

تنظیم اسلامی

صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن اور امیر تنظیم اسلامی

ڈاکٹر اسرار احمد

کی علمی و فکری اور دعوتی و تحریکی کاوشوں کا نچوڑ

۲۸۰ صفحات پر مشتمل ایک اہم علمی دستاویز جس میں عملی خطوط کی نشاندہی بھی موجود ہے

دعوت
رجوعِ اِلی القرآن
کا منظر و پس منظر

چھپ کر آگئی ہے ـــــ ضرور مطالعہ کیجئے ـــــ دوسروں تک پہنچایئے

■ سفید کاغذ ■ عمدہ کتابت ■ دیدہ زیب طباعت ■ قیمت مجلد -/۶۵ روپے ■ غیر مجلد -/۵۰ روپے

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

جلد: ۳۹

شمارہ: ۷

ذوالحجہ ۱۴۱۰ھ

جولائی ۱۹۹۰ء

فی شمارہ ۵/-

سالانہ زرتعاون ۵۰/-

ماہنامہ میثاق لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

SUBSCRIPTION RATES OVERSEAS

U S A US $ 12/=
c/o Dr Khursid A. Malik
SSQ 810 73rd street
Downers Grove IL 60516
Tel : 312 969 6755

c/o Mr. Rashid A. Lodhi
SSQ 14461 Maisano Drive
Sterling Hgts MI 48077
Tel : 313 977 8081

CANADA US $ 12/=
c/o Mr. Anwar H. Qureshi
SSQ 323 Rusholme Rd # 1809
Toronto Ont M6H 2 Z 2
Tel : 416 531 2902

UK & EUROPE US $ 9/=
c/o Mr. Zahur ul Hasan
18 Garfield Rd Enfield
Middlessex EN 34 RP
Tel : 01 805 8732

MID-EAST DR 25/=
c/o Mr. M. Ashraf Faruq
JKQ P.O. Box 27628
Abdu Dhabi
Tel : 479 192

INDIA US $ 6/=
c/o Mr. Hyder M. D. Ghauri
AKQI 4-1-444, 2nd Floor
Bank St Hyderabad 500 001
Tel : 42127

K S A SR 25/=
c/o Mr. M. Rashid Umar
P O. Box 251
Riyadh 11411
Tel : 476 8177

JEDDAH (only) SR 25/=
IFTIKHAR-UD-DIN
Manarah Market,
Hayy-ul-Aziziyah,
JEDDAH.
TEL: 6702180

D.D./Ch. To, Maktaba Markazi Anjuman Khudam ul Quran Lahore.
U B L Model Town Ferozpur Rd Lahore.

ادارۂ تحریر

●

شیخ جمیل الرحمٰن

حافظ عاکف سعید

حافظ خالد محمود خضر

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت: ۳۶- کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰ - فون: ۸۵۶۰۰۳-۸۵۶۰۰۴

سب آفس: ۱۱- داؤد منزل، نزد آرام باغ شاہراہ لیاقت کراچی۔ فون: ۲۱۶۵۸۶

پبلشرز: لطف الرحمٰن خان طابع: رشید احمد چودھری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

عرضِ احوال ——— ۳

عاکف سعید

الہدیٰ (قسط ۶۶) ——— ۵

'شہادت علی الناس' سورۃ الحج کے آخری رکوع کی روشنی میں (۳)

ڈاکٹر اسرار احمد

پاکستان کا مستقبل، روشن یا تاریک ؟ ——— ۱۷

امیر تنظیم اسلامی کا ایک فکر انگیز خطاب

قرآن، ایک انقلاب آفریں کتاب ——— ۵۵

پروفیسر محبوب الرحمٰن

رفتارِ کار ——— ۶۷

شہر لاہور میں تنظیم اسلامی کے زیر اہتمام ایک جلسے اور ایک مظاہرے کی رُوداد

افکار و آراء ——— ۷۵

شہداد پور (سندھ) میں مقیم ایک دوست کے نام' لطف الرحمن خاں کا مکتوب

'اسی کشمکش میں گزریں مری زندگی کی راتیں'۔ ایک دردمند نوجوان کا سبق آموز خط

معزز قارئین کرام!

اپنے زرِ تعاون کی میعاد جو کہ آپ کے نام / پتہ کے لیبل پر درج ہے ختم یا غلط درج ہونے پر براہِ کرم ہمیں جلد از جلد مطلع فرما دیں کہ آپ کے نام پرچہ بدستور جاری رکھا جائے؟ اس سے ہمیں یہ بھی اطمینان رہے گا کہ پرچہ آپ تک پہنچ رہا ہے اور آپ کا پتہ تبدیل نہیں ہوا ہے۔ اگر آپ زرِ تعاون بذریعہ وی۔پی۔پی ادا کرنا چاہیں تو اس کے لیے برِوقت تحریر فرمائیں!

شکریہ آپ کے تعاون کے متمنی

مینیجر سرکولیشن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ احوال

امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب آج کل بیرونِ ملک سفر پر ہیں۔ اپنے اس سفر میں جس کا دورانیہ طے شدہ پروگرام کے مطابق تین ہفتوں پر محیط ہوگا انہیں سپین کے علاوہ برطانیہ اور فرانس بھی جانا ہے اور واپسی ان شاء اللہ ۲ جولائی تک متوقع ہے ـــــ جیسا کہ اکثر احباب کے علم میں ہے یہ پروگرام اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن آف نارتھ امریکا کی دعوت پر تشکیل پایا تھا۔ اِس ایسوسی ایشن کا سالانہ کنونشن اس بار سپین میں منعقد ہو رہا ہے اور اس میں محترم ڈاکٹر صاحب کو "مہمان مقرر" کے طور پر مدعو کیا گیا ہے۔

سپین کے بارے میں یہ بات بہت کم لوگوں کے علم میں ہوگی کہ دنیا کے اُن ممالک میں جو اپنی تاریخی اور جغرافیائی اہمیت کے باعث سیاحوں کی خصوصی توجہ کا مرکز بنتے ہیں، یہ ملک سرِ فہرست ہے۔ پھر مسلمانوں کے لیے اضافی کشش یہ بھی ہے کہ وہ مسلمانوں کی عظمت و سطوتِ پارینہ کا ایک نشان ہی نہیں، "تہذیب حجازی کا مزار" بھی ہے۔ غرناطہ اور قرطبہ کی ہواؤں میں اُن صحرا نشینوں کی ہنگامہ پرور آوازوں کی گونج آج بھی موجود ہے جن کے دل ذوقِ شہادت سے معمور تھے اور جن کے سیلِ رواں کے سامنے بند باندھنا کسی کے لیے ممکن نہ تھا۔ نصف صدی قبل اقبالؔ وہاں گئے تھے اور خون کے آنسو روتے رہے۔ اُن کا سوزِ جگر 'مسجد قرطبہ' نامی نظم میں ڈھل کر لافانی ہو گیا ـــ ملت کا درد رکھنے والے ایک حساس اور باشعور انسان کے جذبات کی اس سے بہتر ترجمانی شاید قیامت تک ممکن نہ ہوگی۔

سپین کے علاوہ امیر محترم کو برطانیہ اور فرانس بھی جانا ہے۔ برطانیہ میں تو اللہ کے فضل و کرم سے انجمن و تنظیم کے حلقے تشکیل پا چکے ہیں، فرانس میں بھی مخلص ساتھیوں کا ایک حلقہ وجود میں آ چکا ہے۔ توقع ہے کہ پاکستان واپسی پر ۶ جولائی کے خطاب جمعہ میں امیرِ محترم اپنے دورے کے تاثرات بیان فرمائیں گے۔ ہماری کوشش ہوگی کہ اگست کے شمارے میں اس کا ایک خلاصہ ضرور ہدیۂ قارئین کر دیا جائے۔

پچھلے شمارے کے ذریعے یہ اطلاع قارئین تک پہنچ چکی ہوگی کہ قرآن کالج میں ایف اے کے داخلے شروع ہو چکے ہیں — داخلہ فارم جمع کرانے کی آخری تاریخ ۱۶ جون طے پائی تھی۔ لیکن صوبۂ سندھ اور صوبہ سرحد میں میٹرک کے نتائج کے اعلان میں چونکہ غیر معمولی تاخیر ہوئی ہے، لہٰذا بعد میں اس ضمن میں یہ لچک رکھ دی گئی تھی کہ ۱۶ جون کے بعد موصول ہونے والی درخواستوں کو بھی شامل کر لیا جائے گا — آج کی تاریخ (یعنی ۲۷ جون) تک نصف صد سے زائد درخواستیں موصول ہو چکی ہیں جن میں سے ۶۰ فی صد سے زائد درخواست گزار طلبہ کا تعلق بیرونِ لاہور سے ہے۔ لیکن کالج ہاسٹل کی تنگ دامانی کے باعث ہم بیرونِ لاہور سے بہت کم طلبہ کو اپنے کالج میں داخلہ دے پائیں گے۔ چنانچہ اُن میں ہمیں سلیکشن کرنا ہوگی اور میرٹ معیّن کرنا ہوگا۔ ہاں لاہور میں مقیم طلبہ کے لیے قرآن کالج سے استفادے کا پورا موقع ہوگا اور نئی کلاس میں اُن کی زیادہ سے زیادہ تعداد کو جگہ دینے کی کوشش کی جائے گی۔

حسبِ وعدہ امیرِ تنظیمِ اسلامی کا خطاب بعنوان 'پاکستان کا مستقبل، روشن یا تاریک؟' اس شمارے میں شامل ہے۔ اکثر احباب کے علم میں ہے کہ یہ خطاب امیرِ محترم نے اسی سال ۲۳ مارچ کو یومِ پاکستان کی مناسبت سے تنظیمِ اسلامی کے زیرِ اہتمام ایک جلسہ میں ارشاد فرمایا تھا۔ خطاب اتنا جامع اور مؤثر تھا کہ فوراً ہی احباب کی جانب سے اس کی اشاعت کا بھرپور تقاضا شروع ہو گیا تھا — اگرچہ اس فکر انگیز خطاب کے بہت سے مباحث 'استحکامِ پاکستان' نامی کتاب میں آچکے ہیں لیکن یہ خطاب اِس پہلو سے زیادہ جامع اور بھرپور ہے کہ اس میں محض مسئلے کا تجزیہ ہی نہیں، حل بھی پیش کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس ضمن میں پاکستان کے موجود الوقت حالات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے بعض معیّن تجاویز بھی اس خطاب کا حصّہ ہیں — پھر ہمارے اُن قارئین کے لیے بھی یہ خطاب خصوصی کشش رکھتا ہے جو امیرِ تنظیمِ اسلامی کی تحریر کو ثقیل اور بوجھل خیال کرتے ہیں۔ تقریر کی زبان چونکہ نسبتاً زیادہ سادہ ہوتی ہے لہٰذا اُمید ہے کہ اس خطاب کی صورت میں 'استحکامِ پاکستان' کا ایک قدرے سادہ اور آسان فہم ایڈیشن اُنہیں دستیاب ہو جائے گا، اور ان کی شکایت کے ازالے کا کچھ سامان ہو سکے گا۔ (اِن شاء اللہ)

الہدیٰ

قسط ۶۶

مباحث جہاد فی سبیل اللہ

درس ۲

جہاد فی سبیل اللہ کی غایتِ اولیٰ

شہادت علی النّاس

سورۃ الحج کے آخری رکوع کی روشنی میں

(۳)

مطالباتِ دین کا خلاصہ

اَحْمَدُہٗ وَاُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ۔ سورۃ الحج کے آخری رکوع کا جزوِ ثانی جو دعوتِ عمل پر مشتمل ہے یا جس میں یوں کہنا چاہیے کہ ایمان کے عملی مقتضیات کا بیان ہوا ہے کہ ایک بندۂ مومن سے اس کا دین کیا تقاضا کرتا ہے' دو آیات پر مشتمل ہے۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝
یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّکُمْ وَافْعَلُوا الْخَیْرَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَجَاھِدُوْا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِھَادِہٖ ؕ ھُوَ اجْتَبٰىکُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّۃَ اَبِیْکُمْ اِبْرٰھِیْمَ ؕ ھُوَ سَمّٰىکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِیْ ھٰذَا لِیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ شَھِیْدًا عَلَیْکُمْ وَتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ ۚۖ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰہِ ؕ ھُوَ مَوْلٰىکُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ ۝

ترجمہ: "اے ایمان والو! رکوع کرو اور سجدہ کرو اور بندگی کرو اپنے رب کی اور بھلے کام کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ اور جہاد کرو اللہ کے لیے جیسا کہ اس کے لیے جہاد کا حق ہے۔ اُس نے تمہیں چن لیا ہے اور تمہارے لیے دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔ تمہارے باپ ابراہیم کا طریقہ ہے۔ اُس نے تمہارا نام رکھا مسلمان، پہلے بھی اور اس میں بھی، تاکہ ہو جائیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم گواہ تم پر اور ہو جاؤ تم گواہ پوری نوعِ انسانی پر۔ پس قائم کرو نماز اور ادا کرو زکوٰۃ اور اللہ سے چمٹ جاؤ۔ وہی ہے تمہارا پشت پناہ۔ تو کیا ہی اچھا ہے پشت پناہ اور کیا ہی عمدہ ہے مددگار!

یہ دو آیات ہیں جن میں ایمان کے مقتضیات کو نہایت جامعیت کے ساتھ سمو دیا گیا ہے۔ پہلی آیت نسبتاً چھوٹی ہے، دوسری طویل، بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ قرآن مجید کی طویل ترین آیات میں سے ہے تو غالباً غلط نہ ہوگا۔ ان آیات میں جیسا کہ آپ نے نوٹ کیا ہوگا، پے بہ پے فعلِ امر وارد ہوئے ہیں کہ یہ کرو اور یہ کرو۔ حکمتِ قرآنی کا یہ اصول پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اسلام کی دعوت کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک ہے دعوتِ ایمان جو عام ہے پوری نوعِ انسانی کے لیے، ہر فردِ نوعِ بشر کے لیے۔ اور دوسری ہے دعوتِ عمل۔ ظاہر بات ہے کہ اس کے مخاطب صرف وہی ہو سکتے ہیں کہ جو ایمان کا اقرار کر چکے ہوں، جو دعویٰ کرتے ہوں اللہ کو ماننے کا، آخرت کو ماننے کا اور نبوت و رسالت کو ماننے کا۔ ایسے ہی لوگوں سے یہ مطالبہ کیا جائے گا کہ اب ایمان کے ان عملی تقاضوں کو پورا کرو! اس ضمن میں یہاں جو چند الفاظ وارد ہوئے ہیں اگر نگاہ کو صرف ان کے ظاہر تک محدود نہ رکھا جائے بلکہ کسی قدر گہرائی میں اتر کر غور کیا جائے تو مطالباتِ دین اور دین کے عملی تقاضوں کے ضمن میں ایک بڑا عمدہ نقشہ سامنے آتا ہے جسے اگر ایک سیڑھی سے مشابہ قرار دیا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ جیسے ایک منبر کے قدمچے (Steps) ہوتے ہیں۔ جن پر قدم رکھ کر انسان درجہ بدرجہ اوپر چڑھتا ہے۔ اسی طرح مقتضیاتِ دین یا دین کے عملی مطالبات کا تدریجاً اور سلسلہ وار بیان ان دو آیتوں میں آیا ہے۔

پہلی سیڑھی: ارکانِ اسلام

فرمایا "اِرْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا"۔ رکوع کرو اور سجدہ کرو! قرآن

مجید میں اکثر و بیشتر آپ دیکھیں گے کہ نماز کے مختلف ارکان کا ذکر ہوتا ہے لیکن ان سے نماز مراد لی جاتی ہے۔ جیسے سورۃ المزّمل میں فرمایا گیا: " قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا "۔ "کھڑے رہا کرو رات کو سوائے اس کے کچھ حصّے کے"۔ اب ظاہر بات ہے کہ کھڑے ہونے سے یہاں نماز میں کھڑے ہونا مراد ہے۔ اسی طرح سورۃ الدھر کی آیت ہے: " وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا "۔ "اور رات کے ایک حصّے میں اللہ کے سامنے سربسجود رہا کرو اور تسبیح کیا کرو!" یہاں تسبیح اور سجدہ سے مراد درحقیقت نماز ہی ہے۔ چنانچہ سورۃ الحج کی اس زیر نظر آیۂ مبارکہ میں بھی رکوع اور سجود سے مراد نماز ہے۔ اور نماز درحقیقت ارکانِ اسلام میں رُکنِ رکین ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ارکانِ اسلام میں سے پہلا رکن کلمۂ شہادت ہے لیکن وہ آپ سے آپ یہاں گویا UNDERSTODD ہے اس لیے کہ جب گفتگو کا آغاز ہو رہا ہے " يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ! " کے الفاظ سے تو سیدھی سی بات ہے کہ وہی لوگ یہاں مخاطب ہیں جو کلمۂ شہادت ادا کر چکے ہیں۔ اس کے بعد ارکانِ اسلام میں سے اہم ترین رکن بلاشبہ نماز ہے: " اَلْفَرْقُ بَيْنَ الْاِسْلَامِ وَالْكُفْرِ الصَّلٰوةُ " لہٰذا اوّلاً اسی کا حوالہ دیا گیا کہ نماز قائم کرو۔ گویا نماز کی حیثیت تمام ارکانِ اسلام میں نمائندہ رکن کی ہے اور اس کے ذیل میں زکوٰۃ، روزہ اور حج آپ سے آپ مندرج ہیں، خواہ لفظاً وہ مذکور نہ ہوں۔ یہ حقیقت اگلی آیت کے آخر میں جا کر کھل جائے گی کہ یہاں رکوع و سجود سے مراد صرف نماز نہیں بلکہ تمام ارکانِ اسلام مراد ہیں۔ بہرحال یہ بات بالکل منطقی ہے اور سمجھ میں آنے والی ہے کہ جو شخص ایمان کا اقرار کرتا ہے اُس پر سب سے پہلی ذمّہ داری یہی ہے کہ وہ ارکانِ اسلام کی پابندی کرے۔ یہ پہلی سیڑھی ہے۔ اس پر قدم جماؤ تب دوسری سیڑھی کی طرف بڑھو!۔

دوسری سیڑھی: بندگیٔ ربّ

وہ دوسری سیڑھی کیا ہے!" وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ "۔ اپنے رب کی بندگی کرو! اس کے عبد اور غلام بن کر زندگی بسر کرو۔ اس کو اپنا آقا سمجھو اور اپنے آپ کو اُس کا مملوک جانو! اپنے کُل وجود کا مالک اسی کو سمجھو اور اپنی پسند و ناپسند، اپنی چاہت، اپنی مرضی، ان سب سے اس کی اطاعت کے حق میں دستبردار ہو جاؤ! یہ اطاعت تمہاری پوری زندگی پر حاوی ہونی چاہیئے بغیر اس کے کہ اُس کے کسی جُز کو اُس سے مستثنیٰ کیا گیا ہو۔ اسی کی مرضی کے سانچے میں اپنے

آپ کو ڈھالو! اور یہ پورا طرزِ عمل اختیار کرو اللہ کی محبت کے جذبے سے سرشار ہو کر! اس منتخب نصاب میں اس سے پہلے ایک سے زائد مقامات پر عبادت کی حقیقت کی طرف توجہ دلائی جا چکی ہے۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج جنہیں ہم عبادات کہتے ہیں، سب اصلاً اسی ہمہ گیر عبادت کے لیے مطلوب ہیں۔ یہ اس عبادتِ عظیم کی رکاوٹوں کو دور کرنے کے لیے فرض کئے گئے ہیں۔ نسیان اور غفلت کا علاج نماز سے کیا گیا۔ اپنے نفس کے تقاضوں کو کنٹرول میں رکھنے کے لیے روزہ عطا کیا گیا۔ مال کی محبت کی گرفت دل سے کم کرنے کے لیے زکوٰۃ فرض کی گئی۔ اور ان تمام مقاصد کو پورا کرنے والی ایک جامع اور عظیم عبادت حج کی شکل میں تجویز کی گئی۔ لیکن غور کیجئے کہ ان سب کا مقصد یہی تو ہے کہ بندگیٔ رب کا تقاضا پورا کرنے میں جو رکاوٹیں اور موانع ہیں انسان کے اندر ان سے عہدہ برآ ہونے کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔ لہٰذا ارکانِ اسلام کی پہلی سیڑھی کے بعد عبادتِ رب، کی یہ دوسری سیڑھی منطقی طور پر بہت مربوط ہے: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ!

تیسری سیڑھی: افعالِ خیر، خدمتِ خلق

لیکن اسی پر بس نہیں، ابھی اس سے آگے ایک تقاضا اور بھی ہے: "وَافْعَلُوا الْخَیْرَ"۔ نیک کام کرو، بھلے کام کرو، خلقِ خدا کی خدمت پر کمربستہ ہو جاؤ۔ خَیْرُ النَّاسِ مَنْ یَّنْفَعُ النَّاسَ۔ اسے یوں سمجھئے کہ اللہ کی عبادت کا تقاضا تو اس کے احکام پر عمل پیرا ہونے سے پورا ہو جائے گا۔ لیکن اس سے آگے بھی انسان کے لیے نیکی کا، خیر کا، بھلائی کا ایک وسیع و عریض میدان ہے جس کی طرف اشارہ کیا گیا سورۃ البقرہ میں: "وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّیْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ"۔ کہ ہر کسی نے اپنا کوئی نہ کوئی ہدف بنایا ہوا ہے جس کی طرف اس کا رُخ ہے پس اے اہل ایمان تم نیکیوں میں، بھلائیوں میں، حسنات میں، خیرات میں، صدقات میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرو۔ تو جہاں تک عبادت کا تقاضا ہے وہ تو احکام خداوندی پر عمل کرنے سے پورا ہو گیا لیکن اب آگے بڑھو، یہ خدمتِ خلق کا میدان کھلا ہوا ہے۔ یہ ہے مفہوم "وَافْعَلُوا الْخَیْرَ" کا۔ البتہ یہاں ایک وضاحت ضروری ہے۔ خدمتِ خلق

کا ابتدائی درجہ یقیناً وہی ہے جس سے سب واقف ہیں یعنی بھوکے کو کھانا کھلانا، کسی کے پاس تن ڈھانپنے کو اگر کچھ نہیں ہے تو اس کا تن ڈھانپ دینا، کسی بیمار کے علاج معالجے اور دوا دارو کا اہتمام کر دینا، کسی کی عیادت یا مزاج پرسی کر دینا وغیرہ۔ حضورؐ نے تو اس کو یہاں تک وسعت دی ہے کہ فرمایا: "تَبَسُّمُكَ فِي وَجْهِ أَخِيكَ صَدَقَةٌ" کسی اپنے ملاقاتی سے کشادہ روئی اور متبسم چہرے کے ساتھ ملاقات کر لینا بھی صدقہ ہے۔ یہ بھی خیر اور نیکی کا کام ہے، کہ وہ آئے تو آکر پشیمان نہ ہو کہ میں خواہ مخواہ کیوں آیا بلکہ وہ محسوس کرے کہ تمہیں اس سے مل کر ایک فرحت ہوئی ہے تاکہ اس کی طبیعت میں بھی ایک انبساط پیدا ہو۔ تو یقیناً خیر، بھلائی، نیکی اور خدمتِ خلق کا بنیادی تصور یہی ہے۔ لیکن اس سے ایک بلند تر سطح بھی ہے۔

خدمتِ خلق کی بلند ترین سطح

وہ بلند تر سطح یہ ہے کہ وہ لوگ جن کی زندگی غلط رخ پر پڑ گئی ہے اور وہ لوگ کہ جو اپنی غفلت اور نادانی کے باعث ہلاکت اور بربادی کی طرف بگٹٹ دوڑے جا رہے ہیں، ان کی عاقبت سنوارنے کی فکر کرنا۔ جیسے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ میری اور تمہاری مثال ایسے ہے جیسے کہ آگ کا ایک بہت بڑا الاؤ ہے، تم اس میں گر پڑنا چاہتے ہو اور میں تمہارے کپڑے پکڑ پکڑ کر تمہیں گھسیٹ کر اس ہلاکت خیز انجام سے بچانا چاہ رہا ہوں۔ چنانچہ خلقِ خدا کو خدا کی بندگی کی دعوت دینا اور بھولے اور بھٹکے ہوؤں کو صراطِ مستقیم اور سواء السبیل پر لے آنے کی کوشش کرنا درحقیقت خدمتِ خلق کی بلند ترین سطح ہے۔ موٹی سی بات ہے، ہم خود سوچ سکتے ہیں، ایک انسان کے پیٹ میں لگی ہوئی بھوک کی آگ کو اگر آپ نے بجھا بھی دیا تو کیا حاصل اگر وہ سمو چا آگ کا نوالہ بننے والا ہے! آپ کو اس کی کوئی فکر نہیں ہے۔ اس کا دارومدار دراصل اس بات پر ہے کہ آیا آخرت پر یقین ہے یا نہیں! اگر یقین ہے تو جیسا کہ ہم سورۃ التحریم میں پڑھ آئے ہیں کہ کسی شخص کو اگر آخرت کا یقین ہے تو وہ اپنی اولاد اور اپنے اہل وعیال کے بارے میں سب سے بڑھ کر جس چیز کے لیے کوشاں ہوگا وہ ان کی آخرت کی بھلائی ہوگی۔ اگر آخرت نگاہوں کے سامنے ہے ہی نہیں تو ظاہر بات ہے کہ اپنے اہل وعیال کی صرف دنیوی منفعت ہی پیشِ نظر رہے گی۔ یہی معاملہ یہاں بھی ہے۔ ایک ایسے شخص کے نزدیک

جس کی باطنی آنکھ کھل چکی ہے اور جسے آخرت کی حقیقت نظر آگئی ہے اصل خدمت خلق کا کام خلقِ خدا کو راہِ ہدایت پر لانا ہوگا کہ جس سے ان کی ابدی زندگی، ہمیشہ کی زندگی سنور جائے۔ اگرچہ ظاہر بات ہے کہ ایسا شخص اس دنیا میں بھی کسی کو تکلیف میں دیکھ کر تڑپ اُٹھے گا۔ آیۂ بِرّ میں ہم تفصیل کے ساتھ یہ پڑھ چکے ہیں: " وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ "۔ اسی حقیقت کو حضورؐ نے یوں تعبیر فرمایا تھا: " مَنْ یُّحْرَمِ الرِّفْقَ فَقَدْ حُرِمَ الْخَیْرَ کُلَّہٗ "۔ کہ جو شخص دِل کی نرمی سے، دردمندی سے محروم ہے وہ کُل کے کُل خیر سے محروم ہو گیا۔ تو خدمتِ خلق کے اِس درجے کی اپنی جگہ اہمیت ہے۔

ہمیں حضورؐ کی سیرتِ مطہرہ میں خدمتِ خلق کے یہ دونوں پہلو بتمام وکمال نظر آتے ہیں۔ وحی کے آغاز سے قبل بھی آپؐ انسانیتِ کاملہ کی معراج پر فائز تھے۔ انسانی ہمدردی کا مادہ آپؐ میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ آپؐ یتیموں کی خبر گیری کرنے، بیواؤں کی سرپرستی فرمانے، مساکین اور محتاجوں کی امداد کرنے اور مسافروں کی مہمان نوازی فرمانے میں پیش پیش تھے جس کی سب سے بڑی شہادت آپ کی اہلیہ محترمہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ نے اُس موقع پر دی تھی جب پہلی وحی کے بعد آپؐ پر بربنائے طبع بشری کچھ گھبراہٹ کی کیفیت طاری تھی۔ لیکن خلعتِ نبوت سے سرفراز کئے جانے کے بعد جب حقائق منکشف ہوئے، جب آپؐ پر یہ بات واضح ہو گئی کہ اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے (وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَۃَ لَھِیَ الْحَیَوَانُ، لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ) تو اب آپؐ کی پوری زندگی، آپؐ کی تمام توانائیاں، آپؐ کا ایک ایک لمحہ بسر ہو رہا ہے خلقِ خدا کو آخرت کے بُرے انجام سے بچانے کی کوشش میں۔ یہی خدمتِ خلق کی معراج ہے۔ یہ اس کی بلند ترین منزل ہے۔

چڑھائی تو بہرطور چڑھنی ہے!

بہرحال پہلی آیت میں یہ تین سیڑھیاں سامنے رکھ دی گئیں۔ اب تمہیں چڑھنا ہوگا۔ ایک عجیب آیت قرآن مجید میں سورۃ مدثر میں وارد ہوئی ہے: " سَاُرْھِقُہٗ صَعُوْدًا "۔ " ہم چڑھوائیں گے اُسے بلندی "۔ ولید بن مغیرہ کے ذکر میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ آخرت کے عذاب کا نقشہ کھینچا گیا کہ وہاں چڑھایا جائے گا اسے بلندی پر، اسے بلندی

چڑھوائی جائے گی۔ یہ بلندی انسان کو بہرحال چڑھنی پڑے گی، اس دنیا میں چڑھ لے یا پھر آخرت میں وہ یہ چڑھائی چڑھنے پر مجبور ہوگا۔ اس دنیا میں اہلِ ایمان کو عملِ صالح کی چڑھائی چڑھنی ہوگی اسی طرح دین کے عملی تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے محنت اور جدوجہد درکار ہوگی، سیڑھی بہرحال چڑھنا ہوگا۔ ہم پر تو ارکانِ اسلام کی پابندی ہی بہت شاق ہے، اُس سے اوپر پوری زندگی میں اللہ کی اطاعتِ کاملہ! ہمارے اعتبار سے بہت بھاری، بہت ثقیل، بہت مشکل معلوم ہوتی ہے ؎

چو می گویم مسلمانم بلرزم
کہ دانم مشکلاتِ لَا اِلٰہَ را

پھر اس سے اوپر بھی ایک تقاضا ہے دین کا اپنے آپ کو ہمہ تن خلقِ خدا کی خدمت میں صرف کر دینا، اس کے لیے وقف کر دینا، اور لگا دینا۔ یہ ہے مطالباتِ دینی کی تیسری منزل۔

'فلاح' کی اُمید!

ان تین تقاضوں کے بیان کے بعد فرمایا: "لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ" "تاکہ تم فلاح پاؤ"۔ 'لَعَلَّ' کا اس انداز میں ترجمہ ہم اس لیے کرتے ہیں کہ یہ کلام الٰہی ہے ورنہ 'لَعَلَّ' کا اصل لفظی مفہوم عربی زبان میں 'شاید' کا ہے۔ گویا لغوی ترجمہ یوں ہوگا "شاید کہ تم فلاح پاؤ"۔ لیکن چونکہ شاہانہ کلام میں لفظ 'شاید' اگر آئے تو وہ ایک حتمی وعدے کی صورت ہوتا ہے، جیسے کوئی بادشاہِ وقت اگر اپنے کسی درباری سے یہ کہے کہ تم یہ کام کرو شاید کہ ہم تمہیں فلاں چیز دیں تو دراصل یہ ایک پختہ وعدہ ہے، اس لیے سورۃ الحج کی اس آیت میں ہم ترجمہ یوں کرتے ہیں: 'تاکہ تم فلاح پاؤ'۔ لیکن اس آیت کے حوالے سے بھی کم سے کم اس حقیقت کی طرف رہنمائی ہو جاتی ہے کہ یہ فلاح ایسے ہی حاصل ہو جانے والی چیز نہیں ہے۔ یہ اتنی بے وقعت شے نہیں ہے کہ بس زبان سے چند کلمات ادا کرنے سے حاصل ہو جائے۔ اگر اسلام اور ایمان کا صرف زبانی اقرار کافی ہوتا تو ان الفاظ مبارکہ کا یہاں لانا کہ اِرْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ' یہ سب تحصیل حاصل قرار پائے گا۔ پھر یہ سارا کلام، نعوذ باللہ مِنْ ذَالِكَ، ایک مہمل اور عبث کلام قرار پائے گا، اگر کوئی یہ سمجھے کہ فلاح اس کے بغیر بھی حاصل ہوتی ہے۔

یہاں گویا کہ اس آیۂ مبارکہ کی شکل میں وہ پورا اسبق ایک مرتبہ پھر ہمارے سامنے آگیا جو سورۃ العصر کا حاصل اور ہمارے اس پورے علمی و ذہنی سفر کا نقطۂ آغاز ہے۔ " وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝ وہاں وہ بات منفی اسلوب میں تھی۔ " زمانہ گواہ ہے تمام انسان خسارے اور گھاٹے میں رہیں گے۔ " " اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝ سوائے ان کے جو ایمان لائیں، نیک عمل کریں ایک دوسرے کو حق کی تلقین اور وصیت کریں اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کریں۔ یہاں دیکھیے، وہی بات ایک مثبت اسلوب میں آئی ہے۔ اگر فلاح کے طالب ہو، کامیابی چاہتے ہو، رُشد سے ہم کنار ہونا چاہتے ہو، تو تمہیں کچھ محنت و مشقت لازماً کرنی ہوگی ؎

فرشتے سے بہتر ہے انسان بننا
مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ

وہ محنت کیا ہے؟ اس کی وضاحت ہے سورۃ الحج کی اس آیت میں کہ " اِرْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا " پہلی چیز ہے نماز، اور اس کے ساتھ ہی گویا بقیہ ارکانِ اسلام زکوٰۃ، روزہ اور حج بھی اس کے تابع ہیں اور ان کا التزام بھی ضروری ہے۔ پھر دوسرا تقاضا بندگیٔ رب کا ہے: " وَاعْبُدُوْا رَبَّکُمْ " ہر معاملے میں اپنے رب کی اطاعت پر کمربستہ ہو جاؤ پوری زندگی کو اُس کے حوالے کر دو۔ اور اس سے بھی آگے بڑھ کر " وَافْعَلُوا الْخَیْرَ " بھلائی پر، خدمتِ خلق پر کمربستہ ہو جاؤ۔ لوگوں کی خیر خواہی، لوگوں کی فلاح، خلقِ خدا کی ابدی بہبود کے لیے اپنی قوتیں، اپنی توانائیاں اور اپنی صلاحیتیں صرف کر دو، اپنے اوقات لگاؤ اور کھپاؤ! یہ ساری محنت کرو تو امید کی جا سکتی ہے کہ: " لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ " شاید کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ اس کے بعد دوسری آیت میں جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے، سورۃ العصر میں بیان کردہ نجات کی چار شرائط میں سے آخری دو یعنی " وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ " کے لیے ایک جامع اصطلاح آگئی " جہاد "۔

جہاد کی اہمیّت

اب ذرا جہاد کی اہمیت کے حوالے سے دونوں آیات کا موازنہ کیجیے! پہلی آیت میں چار فعل امر آئے تھے: اِرْکَعُوْا، اسْجُدُوْا، وَاعْبُدُوْا اور وَافْعَلُوْا، اور اس دوسری آیت میں جو حجم کے اعتبار سے بہت طویل ہے صرف ایک فعل امر آرہا ہے " وَجَاهِدُوْا فِیْ

اللّٰہِ حَقَّ جِہَادِہٖ "۔ معلوم ہوا کہ جہاد کا معاملہ خصوصی اہمیت کا حامل ہے ۔ پوری آیت جہاد اور اس کی غرض و غایت ہی کے بیان پر مشتمل ہے ۔

فرمایا " جہاد کرو اللہ کے لیے "۔ ' فی اللّٰہ ' دراصل فی سبیل اللہ کا مخفف ہے ۔ مراد ہے اللہ کی راہ میں "IN THE CAUSE OF ALLAH" یا یوں کہئے : "FOR THE CAUSE OF ALLAH" اس کے لئے محنتیں کرو ، جدّوجہد کرو ، کوششیں کرو ، کشمکش ، تصادم اور مجاہدہ اس میدان میں ہونا چاہیئے ۔ یہ تمہارے ایمان کا چوتھا بنیادی تقاضا ہے ۔

"حقّ جہادہٖ" کا حقیقی مفہوم

یہاں نوٹ کیجئے اس رکوع کے پہلے جزو میں شرک کی مذمت اور اس کے سبب کے بیان کے ضمن میں الفاظ وارد ہوئے تھے : " مَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ "۔ وہی اسلوب یہاں ہے : "جَاھِدُوْا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِہَادِہٖ "۔ یہ محنت ، کوشش ، جدّوجہد اور تصادم ہوگا اللہ کے لیے ، جس پر تم ایمان لائے ہو ، جسے تم نے اپنا مطلوب و مقصود اور محبوبِ حقیقی قرار دیا ہے ، اور یہ جہاد اور مجاہدہ ، کوشش اور یہ سعی اتنی ہونی چاہیئے جتنا اور جیسا کہ اس کا حق ہے ۔ غور کرو تم پر کس کا کتنا حق ہے ! کیا تم خود اپنے خالق ہو کہ اپنے نفس کے تقاضوں اور اس کے حقوق ہی کے پورا کرنے میں اپنی تمام توانائیاں ، اپنی قوتیں اور اپنی صلاحیتیں صرف کر رہے ہو ! سوچو ، کس کے تم پر کتنے حقوق ہیں ! والدین کے حقوق ہیں ، ادا کرو ! لیکن غور کرو کہ والدین کے دل میں محبت و شفقت کے جذبات پیدا کرنے والا کون ہے ! تم پر کس کا حق کتنا ہے معیّن تو کرو ۔ اگر کوئی اپنی تمام قوتوں اور صلاحیتوں کو اپنے وطن کے لیے وقف کر چکا ہے تو کیا صرف وطن کے حقوق کی ادائیگی ہی اس کے ذمّے تھی ! یہ درست ہے کہ وطن کا زیرِبارِ احسان ہر شخص ہوتا ہے ۔ وہ زمین کہ جس سے اس کے لیے غذا کے خزانے اُبلتے رہے ہیں یقیناً اس کا ایک احسان اُس کی گردن پر ہے ۔ لیکن احسانات کو ناپو تو سہی ، کس کا کتنا حق ہے ! معلوم ہوگا کہ تمام حقوق پر فائق حق اللہ کا ہے ۔ انصاف کا تقاضا تو یہ ہے کہ تمام حقوق اللہ کے حقوق کے تابع ہو جائیں ۔ وہ بات جو شرک کی حقیقت کے ضمن میں ' شرک فی الحقوق ' کی بحث میں کافی تفصیل سے بیان ہو چکی ہے اُسے یہاں اپنے ذہن میں تازہ کیجئے کہ انسان پر اوّلین حق

اللہ کا ہے۔ سورۂ لقمٰن کے دوسرے رکوع میں یہ مضمون آیا تھا: "اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ"! کہ شکر کر میرا اور اپنے والدین کا۔ اگر یہ فہرست مرتب کی جائے کہ انسان پر کس کس کے حقوق ہیں تو سرفہرست آئے گا اس کا خالق و مالک، اس کا پروردگار، اُس کا پالنہار۔ جس نے اسے عدم سے وجود بخشا، جو اس کی کُل ضروریات فراہم کر رہا ہے، جو اسے درجہ بدرجہ تدریجی مراحل سے گزارتا ہوا ترقی کے مراحل طے کرا رہا ہے، وہ ہے کہ جس کے حقوق سب سے فائق ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان یقیناً صد فی صد درست ہے کہ " وَاِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَاِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَاِنَّ لِزَوْرِكَ عَلَيْكَ حَقًّا " تمہارے نفس کا تم پر حق ہے، تمہاری بیوی کا تم پر حق ہے اور تمہارے ملاقاتی کا بھی تم پر حق ہے۔ یہ سب حقوق تسلیم لیکن یہ طے ہے کہ کہ اللہ کا حق سب سے فائق ہے تو اب ذرا سوچو کہ تمہاری توانائیوں کا کتنے فیصد اپنے نفس کے لیے صَرف ہو رہا ہے، کتنے فی صد تم اپنی اولاد کے لیے صرف کر رہے ہو، کتنا جزو اپنی توانائیوں کا تم نے اپنی قوم یا وطن کے لیے وقف کیا ہے اور اُس کا کتنا حصّہ ہے جو تم نے خدا کے لیے وقف کیا ہے! وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ۔ کہیں کسی محفل میں ذرا سا کلمۂ خیر کہہ دینے یا دین کے کسی کام میں کوئی چندہ وغیرہ دے دینے سے یہ سمجھ لینا کہ اللہ کا حق ادا ہو گیا، انگلی کٹوا کر شہیدوں میں شریک ہونے کی کوشش نہیں تو اور کیا ہے! یہاں اس کا سدّباب کیا جا رہا ہے: " وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ "

ایک اور پہلو سے بھی غور کیجیے کہ واقعتاً انسان کی شخصیت کے دو ہی پہلو ہیں۔ ایک اس کا علم اور فکر ہے اس کی نظری اور فکری قوتیں ہیں اور دوسرا اس کا عمل ہے، بھاگ دوڑ ہے، سعی و جہد ہے، اس کی صلاحیتوں اور توانائیوں کا بروئے کار آنا ہے۔ ان دونوں کا جو نقطۂ عروج ہے اس کو اس رکوع کے دو حصوں میں اس طرح بیان کیا گیا کہ ایک ہے اللہ کی معرفت، اللہ کا اندازہ جیسا کہ اس کا حق ہے: " مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ "۔ اور دوسرے ہے اللہ کے لیے محنت، بھاگ دوڑ اور سعی و جہد۔ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ کہ انسان کا جینا اور مرنا، جاگنا اور سونا، بیٹھنا اور اُٹھنا، یہ سب درحقیقت اللہ ہی کے لیے ہو جائے۔ اُسی کے لیے جدوجہد، اُسی کے لیے کوشش، اُسی کے لیے بھاگ دوڑ، گویا اُسی میں ہمہ تن انسان اپنے آپ کو جھونک دے، یہ ہے "جَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ"۔

فریضۂ رسالت کی ادائیگی اب اُمّت کے ذمّے ہے!

اگلا لفظ بہت ہی معنی خیز اور قابلِ توجہ ہے: " هُوَ اجْتَبٰكُمْ " کہ اے مسلمانو، اے ایمان کے دعویدارو اور اے ہمارے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی ہونے کے دعویدارو! تم اپنا مقام اور مرتبہ پہچانو، تم اُسی طرح چن لیے گئے ہو، جس طرح رسولؐ چنے ہوئے ہیں۔ لفظ 'اِصطفٰی' اور 'اجتبٰی' عربی زبان کے دو بڑے قریب المفہوم الفاظ ہیں۔ اگرچہ ان میں وہ ایک باریک سا فرق بھی ہے جو انگریزی کے دو الفاظ 'CHOICE' اور 'SELECTION' میں ہے۔ 'CHOICE' میں پسند کرنے والے کی پسند کو زیادہ دخل ہوتا ہے جبکہ 'SELECTION' فی الاصل کسی مقصد کے لیے ہوتی ہے۔ کسی معیّنہ ہدف کے لیے کسی موزوں ترین شخصیت یا جماعت کا انتخاب 'SELECTION' کہلائے گا۔ 'اصطفٰی' میں 'CHOICE' کا معاملہ ہوتا ہے اور اجتبٰی میں سلیکشن کا، لیکن اپنے مفہوم کے اعتبار سے یہ دونوں الفاظ بہرحال بہت قریب المعنٰی ہیں۔ چنانچہ محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ دونوں ہی الفاظ مستعمل ہیں۔ محمد مصطفٰی اور احمد مجتبٰی صلی اللہ علیہ وسلم۔ چنانچہ وہی لفظ جو رسولوں کے لیے مستعمل ہے یہاں امت کے لیے آیا ہے: " هُوَ اجْتَبٰكُمْ " تمہیں چن لیا گیا ہے، تمہیں پسند کر لیا گیا ہے، ایک مقصدِ عظیم کے لیے تمہارا انتخاب ہو گیا ہے۔ یہ مقصدِ عظیمہ کیا ہے! ذہن میں رکھئے کہ اس رکوع کے نصف اوّل میں نبوت و رسالت کے جس سلسلۃ الذہب کا بیان آیا تھا، اس سنہری زنجیر میں گویا ایک کڑی کا اضافہ ہوا ہے ختمِ نبوت کے باعث۔ اب نہ کوئی نبی آنے والا ہے اور نہ ہی کوئی اور رسول مبعوث ہوگا۔ چنانچہ خلقِ خدا پر اللہ کی طرف سے اتمامِ حجت کا فریضہ اب اس امت کے سپرد کیا گیا ہے جو اپنے آپ کو منسوب کرتی ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف۔ گویا کہ وہ ہدایت جس کی تلقی اوّلاً جبرئیل نے کی تھی اللہ سے، اور پہنچا دیا تھا جسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک، اور پھر جسے پہنچایا محمدؐ رسول اللہ نے امت تک، اب اس امت محمدؐ کا فریضۂ منصبی ہے کہ وہ اُسے پہنچائے پوری نوعِ انسانی تک۔ گویا یہ امت اُس سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی (LINK) کی حیثیت سے مستقلاً اس کے ساتھ جوڑ دی گئی، ٹانک دی گئی۔ اِس حقیقت کی طرف اشارہ کرنے کے لیے یہاں الفاظ بالکل ہم وزن لائے گئے ہیں۔ وہاں فرمایا تھا " اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ

(باقی ص ۴۸ پر)

پیلو کی بازیافت
مِسواک سے
ہمدرد پیلو ٹوتھ پیسٹ تک
پیلو کے مؤثر اور مجرب اجزا پر مشتمل ایک مکمل طبی ٹوتھ پیسٹ پیش کر کے ہمدرد نے
حفظِ دنداں کی دنیا میں بھی اوّلیت حاصل کر لی ہے۔
پیلو صدیوں سے دانتوں کی صفائی اور مسوڑھوں کی مضبوطی کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے۔
ہمدرد کی تحقیقِ جدید نے پیلو کے ان افادی اجزاء اور دوسری مجرب جڑی بوٹیوں سے ایک جامع
فارمولے کے مطابق ہمدرد پیلو ٹوتھ پیسٹ تیار کیا جو پوری طرح دانتوں اور مسوڑھوں
کی حفاظت کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔
ہمدرد
پیلو ٹوتھ پیسٹ
ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں
پیلو کے اوصاف
مسوڑھے مضبوط، دانت صاف
پاکستان سے محبت کرو - پاکستان کی تعمیر کرو
Adams-HTP-3/85

پاکستان کا مستقبل
روشن یا تاریک ہے

امیرِ تنظیم اسلامی کا ایک فکر انگیز خطاب

——ترتیب وتسوید: حافظ خالد محمود خضر——

معزز حاضرین اور محترم خواتین! آپ کے علم میں ہے کہ آج مجھے پاکستان کے مستقبل کے بارے میں گفتگو کرنی ہے کہ آیا پاکستان کا مستقبل روشن ہے یا تاریک! تاریک ہے تو کیوں؟ اور روشن ہو تو کیسے؟ لیکن ظاہر بات ہے کہ مستقبل کو حال اور ماضی سے جدا نہیں کیا جا سکتا لہٰذا ہمیں پاکستان کے مستقبل کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے کسی قدر گفتگو اپنے ماضی کے بارے میں بھی کرنی ہوگی اور اپنے حال کو بھی ایک حد تک زیرِ بحث لانا ہوگا کہ ہمارا حال اس وقت ہے کیا؟ دنیا ہمارے بارے میں کیا کہہ رہی ہے؟ ؎

سن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا
کہتی ہے تجھ کو خلقِ خدا غائبانہ کیا؟

کیا ہم کسی وجودِ مصدّقہ کے حامل ہیں؟

علامہ اقبال نے مولانا روم کے تتبع میں وجودِ مصدّقہ (Authentic Personality) کو جانچنے کا جو پیمانہ پیش کیا ہے اس پر ہم خود کو پرکھ کر بحیثیت قوم اپنی حقیقی صورت حال کا بہ آسانی اندازہ کر سکتے ہیں۔ علامہ کے نزدیک اس بات کا فیصلہ کہ کسی انسان کی شخصیت یا سیرت کیسی کچھ مستند (Authentic) ہے، تین اعتبارات سے ہوتا ہے:

۱- انسان خود اپنے آپ کو اپنی آنکھوں سے دیکھے' اپنا جائزہ لے کہ اپنی نگاہ میں وہ خود کیا ہے؟

۲- انسان اپنے آپ کو دوسروں کی آنکھوں سے دیکھے کہ دوسرے اس کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں؟ ایک مسنون دعاء ذہن میں آ رہی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں چیزوں کو جمع فرمایا ہے - آپؐ یہ دعا کیا کرتے تھے :

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ فِیْ عَیْنِیْ صَغِیْرًا وَ فِیْ اَعْیُنِ النَّاسِ کَبِیْرًا

کہ اے اللہ مجھے اپنی آنکھوں میں تو چھوٹا دکھا (کہ کہیں دل میں تکبّر اور عُجب نہ پیدا ہو جائے) لیکن لوگوں کی آنکھوں میں بڑا کر (تاکہ تیرے دین کی بڑائی ہو اس لئے کہ میں تیرے دین کا خادم اور تیرا نمائندہ ہوں)

۳- اور تیسرے یہ کہ انسان اپنے آپ کو اللہ کی نگاہ سے دیکھنے کی کوشش کرے - خود کو جانچے کہ اللہ کی نگاہ میں وہ کیا ہے! مولانا روم کا بڑا پیارا شعر ہے ۔

جانِ جملہ علم با ایں است و ایں
تا بدانی من کیم در یوم دیں

کہ تمام علم کا لبِّ لباب اور خلاصہ یہ ہے کہ تمہیں یہ معلوم ہو جائے کہ قیامت کے دن میرا کیا حشر ہوگا؟ وہاں میں کس کے جھنڈے تلے کھڑا ہوں گا؟

اسی حوالے سے ہمیں جائزہ لینا ہے کہ ہم قومی اور ملکی سطح پر کسی وجودِ مصدّقہ کے حامل ہیں یا نہیں؟ اس کے ضمن میں اصلاً دو ہی باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں' ورنہ حال اور ماضی کا یہ مرثیہ بہت طویل ہو جائے گا-

"ٹائمز آف لنڈن" کا تجزیہ

سب سے پہلے تو "ٹائمز آف لنڈن" جو کہ ایک بہت پرانا اخبار ہے' اس کے حوالے سے مجھے یہ بات عرض کرنا ہے کہ جب ہمارے ہاں آزادی کی چالیسویں سالگرہ یعنی اکتالیسواں یوم استقلال منایا گیا تو اس اخبار کے موجودہ ایڈیٹر نے ایک اداریہ لکھا اور اس میں چالیس سال قبل کا حوالہ دیا کہ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو جب ہندوستان تقسیم ہوا اور دو آزاد ملک وجود میں آئے تو اخبار کے اُس وقت کے ایڈیٹر نے اِس اہم واقعہ پر اداریہ قلمبند کیا تھا'

جس میں اس نے ان دونوں نوزائیدہ ملکوں کے مستقبل کے بارے میں اپنا اندازہ بیان کیا تھا کہ آج دنیا میں جو دو ملک وجود میں آئے ہیں' ان میں سے ایک کا مستقبل بہت روشن ہے اور دوسرے کا بہت تاریک! پاکستان کا مستقبل بہت روشن ہے' اس لئے کہ یہ ایک قوم کا ملک ہے اور انہیں باہم جوڑنے والی ایک بہت بڑی قوت (Binding Force) مذہب کی طاقت موجود ہے لہٰذا ان کی یکجہتی اور ان کا اتحاد مثالی ہے - ان کے ہاں نہ کوئی نسلی امتیازات ہیں اور نہ کوئی علاقائی تعصبات! ایک مذہب ان کو جوڑے ہوئے ہے یعنی یہ سب ایک 'حبل اللہ' میں بندھے ہوئے ہیں - لہٰذا اس ملک کا مستقبل بہت روشن ہے - جبکہ بھارت کا مستقبل بڑا تاریک ہے کیونکہ اس ملک کو جمع رکھنے والی کوئی قوت موجود نہیں - یہاں بہت سی نسلیں آباد ہیں' بہت سی بولیاں ہیں' بہت سے کلچر ہیں' بہت سے تمدن ہیں - کوئی بھی ایسی شے جو ان سب کے مابین قدرِ مشترک ہو' وہ موجود نہیں -

" ٹائمز آف لنڈن " کا موجودہ ایڈیٹر اپنے پیش رو (Predecessor) کی یہ Assessment نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے کہ اس وقت میں جو صورت حال دیکھ رہا ہوں وہ اس کے بالکل برعکس ہے - بھارت ایک بہت بڑی طاقت بن چکا ہے - وہ اپنے علاقے کی منی سپر پاور ہے - اس کے ہاں جمہوریت ہے' اس کے ہاں ابھی تک کسی خطے کی علیحدگی عمل میں نہیں آئی - اس کا ایک دستور ہے جس کی پٹڑی پر ریاست کی گاڑی رواں دواں ہے - اس کے برعکس پاکستان کی صورت حال ..... یہاں ٹائمز آف لنڈن کے ایڈیٹر کے الفاظ نقل کرنے کی ضرورت نہیں - یہاں تو وہی شعر صادق آتا ہے ۔

ایک وہ ہیں جنہیں تصویر بنا آتی ہے
ایک ہم ہیں کہ لیا اپنی ہی صورت کو بگاڑ !

اُس وقت جس " روشن مستقبل " کے اندازے لگائے گئے تھے' وہ آج ہمارے تاریک حال کی صورت میں ہمارا مقدّر ہے -

پاکستان کی جغرافیائی اور نظریاتی شکست و ریخت

ایک اور بات جو آپ کو بری لگے گی' لیکن میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگ چونکیں' وہ یہ حقیقت ہے کہ پاکستان نظری اور نظریاتی سطح پر بھی ختم ہو چکا ہے اور زمینی اور واقعاتی

اعتبار سے بھی ختم ہو چکا ہے - جغرافیائی اعتبار سے وہ پاکستان آج موجود نہیں ہے جو ۱۹۴۷ء میں وجود میں آیا تھا - اس کو تو ہم حسرت سے کہتے ہیں :
پاکستان جو کبھی تھا! (Pakistan That Was!) اُس پاکستان کو بہت عرصے تک ہم بچا کھچا پاکستان (What Remains of Pakistan). کہتے رہے'
——— پھر آہستہ آہستہ ہم نے اسی کو پاکستان تسلیم کر لیا - نظریاتی سطح پر یہ ملک مسلم قومیت کی بنیاد پر قائم ہوا تھا - لیکن وہ مسلم قومیت آج کہاں ہے؟ ع ڈھونڈ اب اس کو چراغ رخ زیبا لے کر! - اندرا گاندھی نے تو ۱۹۷۱ء میں یہ کہا تھا کہ "ہم نے دو قومی نظریئے کو خلیج بنگال میں غرق کر دیا ہے" - اور آج تو وہ نظریۂ پاکستان اس پاکستان میں بھی نہیں ملتا - کہاں ہے وہ نظریۂ پاکستان؟ اور کہاں ہے وہ مسلم قومیت؟ ع ہر چند کہیں کہ ہے' نہیں ہے! اب تو ہمارے زیڈ اے سلہری صاحب بھی مسلم قومیت پر لکھتے لکھتے تھک گئے ہیں اور اب اس کا نام نہیں لیتے - آخر کب تک لکھتے رہیں گے؟ ایک ہوائی اور خیالی بات کے اوپر کب تک طبع آزمائی ہوتی رہے گی؟ اب تو قومیتیں ہیں' عصبیتیں ہیں' جو لسانی بھی ہیں' نسلی بھی ہیں اور علاقائی بھی - مسلم قومیت تو ہباءً منثوراً اور نسیاً منسیاً ہو چکی!

ان دونوں حقائق کو سامنے رکھئے - آدمی حقائق کو دیکھنے کے لئے تیار نہیں ہوتا اور آنکھیں بند کر لینے میں عافیت سمجھتا ہے - لیکن واقعہ یہ ہے کہ پاکستان دونوں اعتبارات سے ختم ہو چکا ہے - اب اگر اللہ نے توفیق دی تو اس کا دوسری مرتبہ جنم (Re-Birth) ہوگا' انشاء اللہ! میری اس گفتگو میں وہ رخ بھی آئے گا لیکن اس وقت حال کا جائزہ لے لیجئے - حقائق سے صرفِ نظر کرنے کی ضرورت نہیں ہے - ۱۹۷۱ء میں ملک کا دولخت ہونا' تاریخ کی عظیم ترین ہزیمتوں میں سے ایک کا ٹیکہ ہمارے ماتھے پر لگنا اور ہمارے ایک لاکھ کے لگ بھگ کڑیل جوانوں اور جرنیلوں کا اُن ہندوؤں کی قید میں چلے جانا جن پر ہم نے آٹھ سو برس تک حکومت کی تھی' انہی حقائق کے شواہد میں سے ہے! ان کے سینوں پر تو اس کا داغ اتنا گہرا ہے کہ وہ اسے ہزار سال کہتے ہیں - اندرا گاندھی نے کہا تھا :

"We have avenged our thousand years defeat"

(ہم نے اپنی ہزار سالہ شکست کا بدلہ چکا دیا ہے!)

دہلی میں اسلامی حکومت ۱۲۰۶ء میں قائم ہوئی تھی اور اس اعتبار سے مسلم حکمرانوں کا دور ساڑھے چھ سو برس پر محیط ہے - لیکن اگر محمد بن قاسم (رحمہ اللہ) کی آمدِ سندھ سے شمار کیا جائے تو یہ مدّت ہزار برس سے بھی زائد ہے - بہرحال انہوں نے اس کے اوسط کے اعتبار سے کہا کہ ہم نے اپنی ہزار سالہ شکست کا بدلہ چکا دیا ہے -

اس سے بھی زیادہ افسوسناک اور تکلیف دہ بات یہ ہے کہ اگر مذہب اور اخلاق کے اعتبار سے جائزہ لیا جائے تو یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ ہمارا دیوالہ نکل چکا ہے - اگر کوئی اس حد تک نہ جائے تو یہ مانے بغیر تو چارہ نہیں کہ جس جگہ ہم ۱۹۴۷ء میں تھے اس سے بہت پیچھے جا چکے ہیں - آج ہمارے ہاں جھوٹ' بد دیانتی' بے ایمانی اور بے حیائی کو جس درجے فروغ حاصل ہو چکا ہے اُس وقت اس کا سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا - لوگ ہارس ٹریڈنگ کے نام تک سے واقف نہیں تھے - آج حالت یہ ہے کہ قوم کے قائدین برملا بک رہے ہیں - اور وہ قائدین جن کے ماتھے پر مذہب کا لیبل ہے' اگر ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے دس لاکھ روپے لئے ہیں' تو انہیں بھی اس اعتراف میں کوئی پشیمانی محسوس نہیں ہوتی کہ ہاں' ہم نے لئے ہیں' اخراجات کے نام پر لئے ہیں' ہم بکے نہیں ہیں' ہم نے سودا کیا ہے - ۱۹۴۷ء میں ایسی سودے بازی کا تصوّر مذہبی شخصیات کے لئے تو بہت دور کی بات ہے' کسی ملحد کے بارے میں بھی نہیں کیا جا سکتا تھا -

آج ہر اعتبار سے جائزہ لے لیجئے' نفاقِ باہمی اور نفاقِ کردار دونوں ہم پر پوری طرح مسلّط ہیں - ایک تو وہ کردار کا نفاق ہے جس کے بارے میں حضوؐر نے فرمایا:
اٰیَۃُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ اِذَا حَدَّث کَذَبَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ - (متفق علیہ' عن ابی ہریرۃ) -

"منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب بولے جھوٹ بولے' جب وعدہ کرے خلاف ورزی کرے اور جب امین بنایا جائے خیانت کرے" -

ہمارے ہاں جو جتنا بڑا ہے اتنا ہی بڑا جھوٹا' اتنا ہی بڑا بے ایمان اور اتنا ہی بڑا خائن ہے - اور ہمارے ہاں اب یہ معروف کے درجے میں آ چکا ہے - اس میں کوئی شرم و حجاب نہیں رہا - نفاقِ کردار کے علاوہ ہم نفاقِ باہمی کی صورت میں بھی عذابِ خداوندی کی لپیٹ میں آ چکے ہیں - از روئے الفاظ قرآنی:

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّ يُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ (الانعام: ۶۵)

"(اے نبی' ان سے) کہہ دیجئے کہ وہ قادر ہے اس پر کہ بھیج دے تم پر کوئی عذاب تمہارے اوپر سے' یا تمہارے قدموں کے نیچے سے' یا تمہیں گروہوں میں تقسیم کر کے ایک دوسرے سے ٹکرا دے اور تم میں سے ایک کو دوسرے کی قوت کا مزہ چکھا دے!"-

یعنی ایک دوسرے کے خنجر ایک دوسرے کے سینوں میں پیوست ہو جائیں- یہ بدترین عذاب ہے جس میں اللہ کو نہ اوپر سے کچھ نازل کرنے کی ضرورت ہے' نہ زمین کو پھاڑ کر کچھ نکالنے کی ضرورت ہے- آپس میں ہی لڑو' مرو! اور یہ کس جرم کی پاداش ہے؟ یہ میں بعد میں عرض کروں گا-

جو حضرات بھی بین الاقوامی پریس سے کچھ ربط و تعلّق رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ عالمی اخبارات میں پاکستان کے بارے میں کس طرح کے تبصرے شائع ہوتے رہتے ہیں- مثلاً: "Pakistan is at the verge of balkanization"

(پاکستان تو ٹکڑے ٹکڑے ہونے کی بالکل سرحد پر پہنچ چکا ہے)-

پروفیسر ژائرنگ یہاں کے اسٹاف کالج میں رہے ہیں- ان کا ایک جملہ ملاحظہ کریں' جس کی فصاحت و بلاغت پر تو داد دینے کو جی چاہتا ہے کہ:

"Pakistan is still in the search of an Identity"

(پاکستان تو تاحال کسی تشخّص کی تلاش میں ہے) یعنی میں کیا ہوں؟ کون ہوں؟ کیوں ہوں؟ یہی نہیں معلوم! قومی سطح پر ہمارا کوئی وجودِ مصدّقہ ہے بھی یا نہیں؟ خود ہماری آنکھوں میں یا دنیا کی آنکھوں میں؟ یہ بات جان لیجئے کہ ایک نام سے کسی ملک کے باقی رہ جانے کو زندگی نہیں کہتے- آج کی دنیا میں صورت حال بدل چکی ہے- سپر پاورز کے ٹکراؤ اور تقابل کی وجہ سے چھوٹی چھوٹی ریاستوں اور ملکوں کو بھی ایک تحفّظ ملا ہوا ہے- لیکن جس طرح بڑے بڑے درختوں کے نیچے اگنے والا جھاڑ جھنکار (Under Growth) کسی شمار میں نہیں ہوتا' ویسے ہی بڑی طاقتوں کے سایۂ عافیت میں پنپنے والے ملکوں کا وجود وجودِ مصدّقہ کہلانے کا حق نہیں رکھتا- ان کا وجود کوئی باوقار و باعزت وجود' واقعتاً خود اختیاری' خود مختاری والا وجود' اپنے فیصلے خود اپنے ہاتھ میں رکھنے والا وجود' اپنی پالیسیاں خود بنانے والا وجود اور اپنی

معیشت کے ڈھانچے اور سانچے خود تیار کرنے والا وجود تو نہیں ہے - محض ایک نام سے کسی ایک ملک کا دنیا میں ہونا وجودِ مصدّقہ نہیں ہے 'کوئی "Authentic Personality" نہیں ہے -

---

جنگ کا خوف ـــــ قومی سطح پر بزدلی کا مظہر

اب دوسری بات کی طرف آیئے - ہمارے زوال کی انتہائی ایک بہت بڑی نشانی یہ ہے کہ ہم بحیثیت قوم انتہائی بزدل ہو چکے ہیں - آج ملکی اور قومی سطح پر کشمیر کے معاملے میں ہمارا اس بات پر اجماع (Consensus) ہے کہ "دیکھنا 'کوئی ایسی حرکت مت کرنا کہ بھارت کو جنگ چھیڑنے کا موقع ملے "- یہ ہے ہمارے خوف کا عالم اور ہمارے لرزہ براندام ہونے کی کیفیت ! ہماری حکومت اور حزبِ مخالف صرف دو چیزوں کے بارے میں اتفاقِ رائے رکھتی ہیں اور یہ دونوں انتہائی گراوٹ کی علامت ہیں - ان میں سے ایک چیز مسئلہ کشمیر کے بارے میں ان کا یہ مشترکہ موقف ہے - سندھ سے چند خواتین کی چیخ وپکار محمد بن قاسم کو یہاں لے آئی تھی لیکن آج سینکڑوں خواتین کی چیخیں یہاں پہنچ رہی ہیں اور ہم خوف کے مارے کچھ بھی نہیں کر سکتے! کیا ہندوستانی مسلمانوں نے اسی لئے اپنا خون دے کر ہمیں آزادی دلوائی تھی ؟ میں جب قیام پاکستان کے تینتیس برس بعد (۱۹۸۰ء میں) پہلی مرتبہ بھارت گیا ہوں تو آپ اندازہ نہیں کر سکتے کہ علی گڑھ کے مسلمانوں کی باتوں سے کس طرح میرا کلیجہ شق ہوا ہے - وہ لوگ کہتے تھے کہ ۱۹۷۱ء تک ہمارا یہ خیال تھا کہ پاکستان ہمارا محافظ ہے 'لیکن اب ہم یہ سمجھتے ہیں کہ پاکستان اپنی حفاظت ہی کر لے تو بڑی بات ہے - ہمیں اپنی حفاظت اب خود کرنی ہے 'اب ہم بھیڑ بکریوں کی طرح نہیں مریں گے 'بلکہ مار کر مریں گے -

بہرحال صورت حال اس وقت یہ ہے کہ "مجاہدِ اول" سے لے کر "مجاہدِ آخر" تک سب جنگ سے خائف ہیں - سب سے بڑھ کر جنگ سے گھبرانے والے خود مجاہدِ اول ہیں - ان کی ساری مجاہدانہ تقریریں ہباءً منثورًا اور نسیاً منسیاً ہو گئی ہیں اور اب ایک ہی بات کہہ رہے ہیں :"احتیاط 'احتیاط 'احتیاط ...!" - مجاہدِ آخر قاضی حسین احمد صاحب کا حال

یہ ہے کہ ایک ہی سانس میں دو باتیں کریں گے - جہاد و قتال کی بھی اور جنگ سے گریز کی بھی!
آزاد کشمیر کی حکومت کے تحت ہونے والی کشمیر کانفرنس میں انہوں نے قتال اور جنگ کی بات کر کے آخری بات یہ کہی کہ انہیں (کشمیریوں کو) کسی جنگی امداد کی ضرورت نہیں ہے' بس مالی امداد کی ضرورت ہے - یہ ہمارے سیاست دانوں کی ایک ضرورت ہے اور عہدِ حاضر کی ڈپلومیسی کا یہ تقاضا ہے کہ یہ عوام کی طرف رخ کریں گے تو جہاد اور قتال کی بات کریں گے اور حکومت پر تنقید کریں گے - لیکن حکومت کی طرف رخ کریں گے تو کہیں گے کہ ہم حکومت کی پالیسی سے بالکلیہ متفق ہیں - لیکن میں اس وقت حکومت یا حزب اختلاف کے حوالے سے بات نہیں کر رہا' بلکہ قومی سطح پر پھیلے ہوئے خوف کی تصویر کشی کر رہا ہوں - میری اپنی رائے بھی یہی ہے کہ واقعتاً حالات ایسے ہیں کہ حقیقت پسندی کا تقاضا یہی ہے!

ابھی پچھلے دنوں ہمارے ہاں (مرکزی انجمن خدّام القرآن کے تحت) دعوتِ رجوع الی القرآن پر جو سہ روزہ سیمینار ہوا اس میں ایک ہندی عالمِ دین مولانا اخلاق حسین قاسمی یہ فرما گئے کہ "اپنے گھر کا فساد دُور نہیں ہوتا اور دوسروں سے جہاد کی باتیں کرتے ہو"- بتائیے اس سے زیادہ بلیغ جملہ کوئی ہو گا؟ کیا حال ہے کراچی اور حیدر آباد میں؟ محاذ آرائیاں بڑھتے بڑھتے اب باہمی قتل و غارت گری کی صورت اختیار کر گئی ہیں - پورے سندھ میں ایک لاوا ہے جو جوش مارنے کو بے قرار ہے - ہاں' اگر اس قوم میں یکجہتی ہوتی' اتحاد ہوتا' یہاں حقیقتاً لوگوں کی نمائندہ حکومت ہوتی جسے معلوم ہوتا کہ عوام ہمارے پیچھے ہیں تو پھر یقیناً اگر کوئی لیاقت علی مکّہ دکھاتا تو دنیا میں سمجھا جاتا کہ ہاں یہ مکہ واقعی کوئی مکہ ہے - لیکن اس وقت کے حالات یہ ہیں کہ خود اپنا گھر بدترین صورت حال سے دوچار ہے - میں کوئی سیاسی بات نہیں کر رہا' قومی سطح پر بات کر رہا ہوں - اس مسئلے میں رائے میری بھی یہی ہے کہ کوئی ایسی حرکت نہیں ہونی چاہئے کہ ہندوستان کو جنگ کا جواز ملے - ہاں' اگر جنگ مسلّط ہو جائے تو پھر معاملہ بالکل اور ہو گا - دفاعی جنگ میں تو اللہ تعالیٰ کی نصرت ہر وقت شامل ہوتی ہے - اور ہمیں تو اپنے ایک ایک گھر کو مورچہ بنا کر لڑنا ہے -

جہاں تک حقیقت پسندی کا تعلق ہے تو اس حوالے سے ہمیں صحابہ کرامؓ کے دور میں بھی فرق و تفاوت نظر آتا ہے - اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کے بارے میں سورۃ الانفال

(آیت ۶۵) میں ارشاد فرمایا:

اِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ وَاِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ مِّائَۃٌ یَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاَنَّھُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَھُوْنَ ○

"یعنی اگر تم میں بیس شخص ثابت قدم رہنے والے ہوں تو وہ دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں سو شخص ہوں تو وہ ہزار کافروں پر غالب آئیں گے - اس لئے کہ ان کے پاس علم نہیں، سمجھ نہیں، ایمان نہیں!"-

لیکن اس سے اگلی ہی آیت (۶۶) میں فرمادیا:

اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰہُ عَنْکُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِیْکُمْ ضَعْفًا فَاِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ مِّائَۃٌ صَابِرَۃٌ یَّغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ وَاِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ اَلْفٌ یَّغْلِبُوْٓا اَلْفَیْنِ بِاِذْنِ اللّٰہِ

یعنی "اے مسلمانو! اب اللہ نے تم پر تخفیف کر دی ہے - اس کے علم میں ہے کہ اب تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو چکی ہے - پس اگر تم میں سو شخص ثابت قدم رہنے والے ہوں تو وہ دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں ہزار ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب آئیں گے"- اس آیۂ مبارکہ میں کمزوری کا جو ذکر کیا گیا ہے اس کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ "السّابقون الاوّلون" میں کمزوری پیدا ہو چکی تھی بلکہ جو نئے لوگ کثیر تعداد میں حلقۂ ایمان میں داخل ہوئے تھے ان کی اس درجے کی تربیت نہیں ہوئی تھی، لہٰذا اوسط گر گیا- اور اب کفّار کے مقابلے میں ایک اور دس کی نسبت کے بجائے ایک اور دو کی نسبت رہ گئی-

تو ان حقائق کے اعتبار سے صحیح بات وہی ہے - لیکن یہ ایک Index تو ہے کہ قومی سطح پر ہم اس وقت کہاں ہیں کہ اتحاد اور اتفاقِ رائے ہے تو اس مسئلے پر - بہت عرصے کے بعد ترستی ہوئی آنکھوں کو اتفاق کی کوئی بات نظر آئی تو وہ یہ ہے - اور اسی کے ساتھ ایک رخ اور بھی ہے جو ہماری دینی اور اخلاقی گراوٹ کا ثبوت ہے کہ ابھی تک ایک ہی شے ایسی ہے جس پر ہماری پارلیمنٹ میں حکومت اور حزب اختلاف کا اتفاق ہوا ہے - اور وہ یہ ہے کہ اسمبلیوں میں خواتین کی جو مخصوص نشستیں رکھی گئی تھیں، جن کی اب دستور میں مدّت ختم ہو رہی ہے، ان کو برقرار رکھا جائے - ہماری منافقت کا یہ حال ہے کہ ایک طرف عورت کی وزارتِ عظمٰی کے خلاف تقریریں اور گفتگوئیں کرتے ہوئے منہ سے جھاگ نکلیں گے، لیکن دوسری طرف اسلام کی تعلیمات کے بالکل برعکس عورتوں کی

نشستوں کے معاملے میں اتفاقِ رائے ہوگا!

ہمارے قومی وجود کا عقدہ اور اس کا حل

ہم میں سے ہر شخص کو سوچنا چاہئے کہ آخر ان سب باتوں کا سبب کیا ہے؟ اگر ایک جملے میں اس کا سبب بیان کیا جائے تو وہ یہ ہے کہ ہمارے قومی وجود کا یہ ایک ایسا عقدہ (Dilemma) ہے جو اگرچہ لاینحل نہیں لیکن پیچیدہ ضرور ہے کہ ایک جانب ہم نے ایک ایسا ملک بنایا جس کی کوئی جڑ بنیاد اسلام کے سوا نہیں ہے - میری اس بات سے کسی کو اختلاف ہو بھی تو اس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ اس کے استحکام کی کوئی بنیاد دین اور مذہب کے سوا نہیں ہے - اور دوسری طرف وہی دین و مذہب ہے جو یہاں ع ہر چند کہیں کہ ہے، نہیں ہے! بظاہر تو یہ ایک عقدۂ لاینحل ہے، لیکن اس عقدے کا حل موجود ہے جو میں پیش کروں گا -

پاکستان کی اصل اساس

اب تک کی تشخیص جو ایک جملے میں ہوئی ہے یہ ذرا وضاحت طلب ہے - مجھے اس عقدے کے اس پہلو کا تذکرہ بھی کرنا ہوگا کہ پاکستان کس بنیاد پر وجود میں آیا تھا - اس لئے کہ اب اسے بھی مختلف فیہ مسئلہ بنا دیا گیا ہے - بانیانِ پاکستان میں سے جو بچے کھچے رہنما باقی ہیں، جو بڑوں کی موت کے بعد بڑے بن گئے ہیں، اگر وہ خود یہ کہیں کہ پاکستان مذہب کی بنیاد پر قائم نہیں ہوا تھا تو کچھ نہ کچھ پیچھے پلٹ کر دیکھنا پڑے گا کہ واقعہ کیا ہے؟ کبھی حسین شہید سہروردی صاحب نے یہ بات کہی تھی کہ: "پاکستان وجود میں آیا ہے محض معاشی مسئلے کی بنیاد پر!" - چلئے ان کی شخصیت تو متنازعہ فیہ (Controversial) لوگوں میں شمار ہوتی ہے لیکن جناب نور الامین کی شخصیت تو اختلافی نہیں رہی - وہ تو اوّل و آخر مسلم لیگی ہیں - انہوں نے بھی یہی کہا - 'اردو ڈائجسٹ' میں ان کا مفصّل انٹرویو چھپا جس میں انہوں نے کہا کہ "اصل مسئلہ معاشی مسئلہ تھا!" - ابھی نظریۂ پاکستان کا سب سے بڑا محافظ (Custodian) تو پنجاب ہی ہے - اس کی اُس وقت کی بچی کھچی دو شخصیتیں ممتاز

دولتانہ صاحب اور شوکت حیات صاحب ہیں - دولتانہ صاحب نے کہا کہ "یہ خالص سیاسی مسئلہ تھا - اس کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں تھا" - پھر جب اس پر کچھ گرفت ہوئی تو کچھ چکر انہوں نے کھائے' لیکن دلدل میں مزید پھنستے چلے گئے - اور شوکت حیات صاحب نے تو آخری بات کہہ دی کہ "یہ پاکستان کا مطلب کیا لا الٰہ الا اللہ تو کچھ چھوکروں اور نوجوانوں کا لگایا ہوا نعرہ تھا' کوئی سنجیدہ بات نہیں تھی" - اب اگر نوجوان کنفیوژن میں ہوں اور انہیں پاکستان کی شناخت کے بارے میں اشکال ہوں تو الزام کسے دیا جائے ؟

اس مسئلے کے کچھ پہلو ایسے ہیں جو کنفیوژن' غلط فہمیوں یا فکری الجھاؤ کا سبب بنتے ہیں - لہٰذا ہم اس کا تھوڑا سا جائزہ لے لیتے ہیں - اصل میں اس مسئلے کی تین مختلف سطحیں (Levels) ہیں اور اسے اس مثال سے سمجھا جا سکتا ہے کہ پانی' جو کہ از روئے قرآنی حیات کا مبدأ ہے' روئے ارضی پر تین سطحوں میں پایا جاتا ہے ... (۱) سطح زمین پر دریاؤں' نہروں' ندیوں اور چشموں کی صورت میں بہہ رہا ہے - (۲) زیر زمین کم گہرائی میں بھی دستیاب ہے' جسے نلکوں اور کنوؤں وغیرہ سے حاصل کیا جاتا ہے - (۳) زیر زمین زیادہ گہرائی میں یعنی چار پانچ سو فٹ نیچے نہایت صاف شفاف پانی ہوتا ہے اور آج کل پینے کے لئے اسے ہی صحیح تر سمجھا جاتا ہے - پانی کی اس مثال سے اس مسئلے کی تین سطحیں بھی بالکل واضح ہو جاتی ہیں -

اس کی پہلی سطح بالکل دیوار پر لکھی گئی حقیقت (Writing on the Wall) کی مانند ہے اور وہ یہ ہے کہ پاکستان اسلام کے نام پر بنا ہے - کوئی دولتانہ اور کوئی شوکت حیات اس کا انکار نہیں کر سکتا - پوری دنیا مانتی ہے کہ مذہب کے نام پر صرف دو ملک بنے ہیں ..... ایک پاکستان اور دوسرا اسرائیل ! اسرائیل کے بارے میں یہ بات غلط ہے' پاکستان کے بارے میں صحیح ہے !

لیکن اس سطح سے ذرا نیچے اتریں تو یہ سوال سامنے آتا ہے کہ تحریک پاکستان کا اصل جذبہ محرکہ (Real Motivating Force) کیا تھا؟ کیا وہ مذہبی جذبہ تھا یا کوئی اور ؟ میرے نزدیک یہاں اختلاف کی گنجائش ہے اور میری اپنی رائے یہ ہے کہ وہ مذہبی جذبہ نہیں تھا - میرے پاس اس کی دو اور دو چار کی مانند دلیل یہ ہے کہ اگر مذہبی جذبہ ہوتا تو

تحریک پاکستان کی قیادت مذہبی لوگوں پر مشتمل ہوتی کیونکہ کسی تحریک کا جو اصل جذبہ ہوتا ہے سب سے گاڑھی صورت میں اس کی قیادت میں نظر آتا ہے - لیکن تحریک پاکستان کی قیادت مذہبی لوگوں پر مشتمل نہیں تھی - مذہبی لوگ معاونین تھے' چاہے وہ علماء کرام ہوں یا مشائخ و صوفیاء عظام ہوں' وہ قائدین نہیں تھے - پھر وہ کون سا جذبہ تھا جو اس تحریک کی بنیاد بنا؟ اسے صرف 'سیاسی' قرار دیا جانا بھی غلط ہے اور صرف 'معاشی' قرار دیا جانا بھی غلط ہے - میری رائے میں یہ ایک قومی مسئلہ تھا اور تحریک پاکستان کا اصل جذبۂ محرکہ 'قومی' تھا - ایک چھوٹی قوم کو ایک بڑی قوم سے خطرہ لاحق ہو گیا تھا کہ بڑی قوم معاشی طور پر بھی ہمارا استحصال کرے گی' سماجی طور پر بھی ہمیں دبا دے گی اور تمدنی سطح پر بھی ہماری شناخت اور ہمارا تشخص ختم کر دے گی - اس کے علاوہ قومی سطح پر ہی ہمیں یہ خوف اور اندیشہ بھی لاحق تھا کہ جب اقتدار و اختیار اس قوم کے ہاتھ میں ہو گا تو یہ ہم سے اپنی کئی صدیوں کی محکومی کا انتقام لے گی -

اب مزید نیچے اتریں کہ جس قوم کو یہ خطرہ لاحق تھا اس کی قومیت کی بنیاد کیا تھی؟ کیا وہ ایک مشترک نسل کی بنیاد پر ایک قوم تھی؟ یا ایک زبان بولنے کی وجہ سے ایک قوم تھی؟ قومیت کی جتنی بنیادیں بھی ہو سکتی ہیں' یہاں ان سب کی نفی ہو جائے گی - وہ ایک قوم تھی تو - صرف اور صرف مذہب کی بنیاد پر! کسی پٹھان یا بلوچی عورت کے لباس اور مشرقی پاکستان کی کسی مسلم خاتون کے لباس میں زمین و آسمان کا فرق ہے - اسی طرح کھانے پینے کی عادات (Eating Habits) کس قدر مختلف ہیں - ایک بنگالی مسلمان انتہائی رغبت سے چاولوں کے ساتھ جس طرح کی مچھلی کھاتا ہے ہم میں سے اکثر اسے کھانا تو درکنار' دیکھ بھی نہیں سکتے! تو یہ پورے ہندوستان کے مسلمان کسی زبان' نسل یا کسی کلچر کی بنیاد پر قوم نہیں تھے - یہ قوم تھے تو مذہب کی بنیاد پر تھے! تو زیر زمین گہرائی سے جو سب سے صاف پانی نکلا وہ بھی مذہب ہی کا ہے - چنانچہ آخری تجزیے (Final Analysis) کی بنیاد پر کوئی جڑ اور بنیاد اس ملک کی نہیں ہے سوائے اسلام کے! لیکن چلئے فی الحال اسے ہم مستقبل کے مؤرخ پر چھوڑ دیتے ہیں' اگرچہ اُس وقت کے اعتبار سے تو ہم بھی مستقبل میں بیٹھے ہیں' پھر بھی اصل مسئلہ یہ ہے کہ کیا اِس وقت اس کے استحکام کی کوئی بنیاد ہے؟

استحکامِ پاکستان کی ٹھوس بنیاد

کسی بھی اجتماعیت کی شیرازہ بندی کے لئے کوئی قدرِ مشترک درکار ہوتی ہے - ابنِ خلدون نے اس کے لئے ایک لفظ "عصبیت" استعمال کیا ہے کہ کسی قوم یا کسی ملک کی قوت کا دارومدار کسی عصبیت پر ہوتا ہے - مثلاً نسلی عصبیت یا لسانی عصبیت وغیرہ - اس عصبیت کو ہم لوگ برا لفظ سمجھتے ہیں' حالانکہ فی الاصل برائی کا مفہوم اس لفظ میں شامل نہیں ہے - جو شے بری ہے وہ 'عصبیت جاہلی' ہے - حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے کہا تھا کہ ہمارے ابا جان حضرت یعقوبؑ نہ جانے کیوں محبت کرتے ہیں یوسف اور بنیامین سے' حالانکہ "وَنَحْنُ عُصْبَةٌ" ہم ایک گروہ ہیں' طاقت ہیں' دس کڑیل جوان ہیں - تو 'عُصبہ' سے 'عصبیت' بنا ہے - یعنی کسی اجتماعیت کو جوڑنے والی کوئی شے عصبیت کہلاتی ہے - اجتماعیت کی شیرازہ بندی کرنے والی کوئی عصبیت ہوگی تو اجتماعیت مضبوط ہوگی' ورنہ شیرازہ منتشر ہوگا - اب ہمیں دیکھنا ہے کہ ہمارے پاس کونسی عصبیت ہے جو ہمیں مجتمع رکھ سکے!

تاریخی تقدس

ملکوں اور قوموں کے استحکام کے لئے جو چیزیں بنیاد بن سکتی ہیں وہ میں یہاں ایک ایک کر کے بیان کرتا ہوں - آپ دیکھیں گے کہ ان میں سے کوئی شے ہمارے پاس نہیں ہے -

پہلی چیز ہوتی ہے تاریخی تقدّس (Historical Sanctity) کسی ملک کے نام کو تاریخی تقدس حاصل ہو جائے تو اس کا نام نہیں بدلا کرتا - چین کا بہت بڑا رقبہ جاپان کے زیرِ تسلّط رہا لیکن چین چین رہا اور جاپان جاپان - یہی کہا گیا کہ جاپان نے چین کے اتنے رقبے پر قبضہ کر لیا - یہ تقدّس ہمیں حاصل نہیں - پچاس برس پہلے پاکستان کے نام سے کوئی ملک دنیا میں موجود نہیں تھا - اور اس کا سب سے بڑا مظہر یہ ہے کہ جب مشرقی پاکستان کی علیٰحدگی ہوئی تو ہمارے بنگالی بھائیوں نے پاکستان کا لیبل اٹھا کر خلیج بنگال میں پھینک دیا' اس لئے کہ ان کے نزدیک اس نام کی کوئی قدر و قیمت تھی ہی نہیں - ورنہ اگر دو بھائی مشترکہ طور پر کوئی چھوٹی سی دکان بھی کریں تو اس کا جو نام رکھتے ہیں اس نام کی کوئی قیمت' کوئی Goodwill ہوتی ہے اگر وہ علیٰحدہ ہوں تو اس نام کی قیمت الگ سے مقرر کی جاتی ہے - لیکن پاکستان کے نام کی

اتنی قیمت بھی ہمارے مشرقی پاکستانی بھائیوں نے نہیں سمجھی - حالانکہ دو کوریا آج تک موجود ہیں' دو یمن ہیں' دو جرمنی ہیں تو کیا دو پاکستان نہیں ہو سکتے تھے؟ اور ایک نام والے دوسرے ممالک تو ملحق بھی ہیں جبکہ ہمارے درمیان تو ہزار میل کا فاصلہ بھی تھا - یہ درحقیقت اس بات کا ثبوت ہے کہ ابھی اس نام کی کوئی قدر و قیمت یا Good will نہیں ہے' تاریخی تقدّس (Historical Sanctity) تو بڑا بھاری لفظ ہے -

جغرافیائی عامل

اس ضمن میں دوسرا اہم Factor ہوتا ہے جغرافیائی سرحدوں کی قدرتی تقسیم - بعض ممالک بڑے دریاؤں یا پہاڑوں کی صورت میں قدرتی سرحدوں کے حامل ہوتے ہیں جو انہیں حفاظت فراہم کرتی ہیں - لیکن ہمارا حال کیا ہے؟ مشرقی اور مغربی خطوں پر مشتمل پاکستان تو تاریخ کا ایک عجوبہ تھا' جس کے دونوں خطے ایک ہزار میل کے فاصلے پر تھے اور درمیان میں بہت بڑا دشمن ملک اور اُس غریب مشرقی پاکستان کا حال تو یہ تھا کہ تین اطراف سے اس دشمن ملک میں اس طرح گھرا ہوا تھا کہ کہیں کوئی قدرتی رکاوٹ (Natural Barier) نہیں - دھان کے کھیت اس طرح چلے گئے ہیں کہ پتہ ہی نہیں چلتا کہ کہاں ایک ملک ختم ہو رہا ہے اور دوسرا شروع ہو رہا ہے - اور اُس وقت تک تو خاردار باڑ بھی نہیں تھی - بہرحال اب بھی جو ہمارا اصل دشمن ہے جس نے ہمارے وجود کو ذہناً تسلیم نہیں کیا اور اس کے صحافی یہاں آکر کہہ جاتے ہیں کہ ہم نے پاکستان کو تسلیم کیا ہے' دو قومی نظریئے کو تسلیم نہیں کیا' اس ملک کے ساتھ ہماری کوئی قدرتی سرحد نہیں ہے - گویا نہ تاریخ ہماری پشت پر ہے نہ جغرافیہ !!

قومی جذبہ

تیسری چیز جو کسی ملک کے استحکام کی بنیاد بن سکتی ہے وہ ہوتی ہے قومی عصبیت - واقعہ یہ ہے کہ کوئی مضبوط قوم پرستانہ جذبہ ہو تو وہ تاریخ سے بھی لڑ جاتا ہے اور جغرافیے کو بھی شکست دے دیتا ہے - قائداعظم سے ایک مرتبہ سوال کیا گیا تھا کہ آپ پاکستان بنانا چاہتے ہیں' ذرا یہاں کے جغرافیے کو تو دیکھئے! تو اس کے جواب میں انہوں نے یہ تاریخی جملہ کہا تھا:

"Some people are talking about some Geographical difficulties in the way of Pakistan May I ask them by what rule of Geography are they here!"
یعنی میں ان برطانویوں سے پوچھتا ہوں کہ وہ جغرافیے کے کس اصول کے تحت سات سمندر پار سے آکر یہاں حکومت کر گئے ہیں؟ بہرحال کوئی قومی جذبہ اگر واقعتاً موجود ہو تو وہ جغرافیے کو بھی شکست دے دیتا ہے اور تاریخ کے دھارے کا رخ بھی بدل دیتا ہے۔

قوم پرستی کی اقسام

۱۔ نسلی قومیّت

قومیت کے لئے جو چیز بنیاد بن سکتی ہے وہ نسل بھی ہو سکتی ہے اور زبان بھی! نسلی قومیت کا جذبہ آج بھی بڑا مؤثر جذبہ ہے۔ جرمن قوم کہتی ہے "Superior Race" "We are a (ہم ایک اعلیٰ نسل ہیں!) اور یہ بات ان کے ایک ایک بچے کے ذہن میں پروان چڑھی ہوئی ہے۔ یہودی کہتے ہیں:
"We are the chosen people of the Lord" (ہم اللہ تعالیٰ کے چہیتے اور لاڈلے ہیں)۔ قرآن حکیم نے ان کے الفاظ نقل کئے ہیں "نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰہِ وَ اَحِبَّآؤُہٗ" درحقیقت اسرائیل نسل کی بنیاد پر بننے والا ملک ہے' مذہب کی بنیاد پر نہیں۔ مذہبی یہودی تو اس کی پشت پر تھے ہی نہیں۔ آج بھی امریکہ میں جو مذہبی یہودی ہیں وہ پرو اسرائیل نہیں ہیں۔ یہ صیہونی تحریک (Zionist Movement) ایک نسلی تحریک تھی۔ آج بھی دنیا میں قومیت کے لئے سب سے بڑی بنیاد نسل ہے' جو ہمارے پاس نہیں ہے۔ پاکستان تو نسلوں کی کھچڑی' بلکہ صحیح تر الفاظ میں 'حلیم' ہے۔ اس میں سامی النسل قومیں مثلاً قریشی' سید' علوی' صدیقی' عثمانی' فاروقی بھی ہیں۔ پھر یہاں بلوچستان میں دراوڑی نسل بھی آباد ہے۔ ان کے علاوہ آریائی ہیں' جن میں جاٹ' راجپوت اور شیخ وغیرہ ہیں جو ہندوؤں سے مسلمان ہوئے ہیں۔ اور پھر مغل نسل میں سے ترک اور خلجی وغیرہ ہیں۔ چنانچہ نسلی قومیت ہمیں استحکام کی کوئی بنیاد فراہم نہیں کر سکتی۔

۲- لسانی قومیت

قومی عصبیت کے لئے لسانی قومیت بھی ایک مضبوط بنیاد فراہم کر سکتی ہے - جیسے عرب قومیت کی بنیاد درحقیقت عربی زبان ہے - اور اس میں اتنی قوت تھی کہ اس کے بل پر صدر ناصر نے انگریزوں کو اٹھا کر بحیرۂ روم میں پھینکا تھا - اسی کی بنیاد پر الجزائر نے فرانس سے نجات حاصل کی تھی - لیکن ہمارے ہاں کسی زبان کے ساتھ بھی وہ عصبیت موجود نہیں ہے - ایک وقت میں تحریک پاکستان کے دوران اردو کو یہ حیثیت حاصل ہو گئی تھی' اس لئے کہ اُس وقت مقابلہ ہندو کی زبان ہندی سے تھا - جسے کہا گیا ع "یا بحث میں اردو ہندی ہے' یا قربانی یا جھٹکا ہے!" لیکن جب ہم آزاد ہوئے تو اردو کی وہ حیثیت نہیں رہی - آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے ہاں پہلی تقسیم زبان ہی کی بنیاد پر ہوئی ہے "بنگلہ بھاشا" (بنگالی زبان) ہی نے بنگلہ قومیت کے لئے بنیاد فراہم کی اور بالآخر بنگلہ دیش کو جنم دیا - پھر یہ پاکستان بھی ابھی تک اردو کو اپنی قومی زبان کی حیثیت سے اختیار نہیں کر سکا - اب بھی کم از کم ایک زبان ایسی ہے جو اردو کی برتری کو قبول کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں - ہمارے سندھی بھائیوں کا یہ دعویٰ بے بنیاد نہیں ہے کہ اردو کل کی چھوکری ہے' تین چار سو برس پہلے اس کا وجود تک نہیں تھا - جبکہ سندھی زبان بڑی قدیم زبان ہے - قرآن مجید کی پہلی تفسیر اسی زبان میں لکھی گئی - کاش کہ ہمارے رہنماؤں کو عقل ہوتی اور پاکستان بننے کے فوراً بعد یہاں کی سرکاری زبان کے لئے عربی کے حق میں فیصلہ ہو جاتا تو یہاں نہ بنگلہ بھاشا کے لئے عصبیت ابھرتی اور نہ سندھی کے لئے! اس پر سب سے زیادہ زور خود سندھیوں نے لگایا تھا کہ پاکستان کی سرکاری زبان عربی کو بنایا جائے - میں جب دادو گیا تھا تو مجھے ۱۹۴۸ء یا ۱۹۴۹ء میں لکھی ہوئی ایک باقاعدہ کتاب ملی تھی جو اس کے حق میں تھی کہ عربی زبان کو سرکاری زبان بنایا جائے - اگر ایسا کر لیا جاتا تو اب تک ہماری دو نسلیں عربی سیکھ چکی ہوتیں اور ہم عرب دنیا کا حصہ بن چکے ہوتے - اُس وقت بہت سے اور لوگ بھی یہ کہنے والے تھے - مثلاً سر آغا خاں نے یہ بات کہی تھی' پھر زاہد حسین مرحوم نے یہ بات کہی - لیکن ہماری جذباتیت نے حقائق کو دیکھنے سے گریز کیا - بہرحال اس وقت میری گفتگو کا موضوع یہ ہے کہ پاکستان کو جوڑنے والی کوئی لسانی عصبیت موجود نہیں ہے' کاٹنے والی بہتیری ہیں!

۳- وطنی قومیت

اسی طرح وطنی عصبیت بھی ایک مؤثر عنصر ہے اور یہ آج کی دنیا کی سب سے معروف شے ہے- یعنی ایک ملک میں رہنے والے بلالحاظِ مذہب و نسل و زبان ایک قوم ہیں- لیکن میری بات کان کھول کر سن لیجئے کہ پاکستانی قومیت ہمارے پاسپورٹوں پر لکھنے کے لئے تو ہے، لیکن حقیقت میں پاکستانی قومیت کا وجود نہ آج تک ہوا ہے، نہ قیامت تک ہوگا- کیونکہ ہم نے وطنی قومیت کی کامل نفی پر ہی تو یہ ملک بنایا تھا- آخر کانگرس کے ساتھ ہمارا جھگڑا کیا تھا؟ ایک قومی اور دو قومی نظریہ تھا کیا؟

یہ تو کانگرس کا موقف تھا کہ ہندوستان کے رہنے والے ایک 'ہندوستانی قوم' (Indian Nation) ہیں، خواہ وہ ہندو ہوں، مسلم ہوں، سکھ ہوں یا پارسی ہوں- ہم نے وطنی قومیت کے اس تصور کی نفی کی- قائداعظم کے الفاظ ہیں کہ ہم قومیت کے ہر معیار و تصور کے مطابق ایک علیحدہ قوم ہیں- ہماری قومیت کی بنیاد ہمارا مذہب اور ہماری ثقافت ہے- اور مصوّرِ پاکستان علامہ اقبال نے تو اس ضمن میں وہ بات کہی ہے کہ جو ؎

"عرض کیجے جوہرِ اندیشہ کی گرمی کہاں
کچھ خیال آیا تھا وحشت کا کہ صحرا جل اٹھا!"

کا مصداق ہے، فرماتے ہیں- ؎

اِس دور میں مے اور ہے جام اور ہے، جم اور
ساقی نے بنا کی روشِ لطف و ستم اور
تہذیب کے آذر نے ترشوائے صنم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور
ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

مسلمان کا خمیر جس مٹی سے اٹھا ہے اس میں زمین کی عظمت اور تقدس کا کوئی حصہ ہے ہی نہیں- مسلمان کے خمیر میں آفاقیت ہے- اور خاص طور پر برعظیم پاک و ہند کے مسلمان نے تو اپنے دکھ پر کبھی آنسو نہیں بہائے- وہ ہمیشہ باہر کے مسلمانوں کے دکھ پر رویا

ہے - وہ دکھ طرابلس کے مسلمان کا ہو یا ترکی کے مسلمان کا! حمید الدین فراہیؒ رو رہے ہیں کہ ۔ کیف القرار و قد نکس اعلامنا بطرابلس

(کیسے قرار آئے کہ ہمارے جھنڈے طرابلس میں سرنگوں ہو گئے ہیں!)

جنگِ طرابلس میں ایک بچی فاطمہ کی شہادت پر اس برِّعظیم کا "برہمن زادۂ رمز آشنائے روم و تبریز" خون کے آنسو روتا ہے - حضورِ رسالت مآبؐ میں حاضری پر عرض کرتا ہے ۔

"مگر میں نذر کو اِک آبگینہ لایا ہوں
جو چیز اس میں ہے جنت میں بھی نہیں ملتی
جھلکتی ہے تری امت کی آبرو اس میں
طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں"

خلافت کی تحریک دنیا کے کسی اور گوشے میں نہیں چلی ' صرف ہندوستان میں چلی! کیا وہ ہندوستان کا مسئلہ تھا؟

بہرحال اس ملک میں پاکستانی نیشنل ازم بھی کسی صورت کامیاب نہیں ہو سکتا - جو کوئی اس پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں کان کھول کر سن لیں کہ اس کے لئے کوئی جڑ بنیاد ہے ہی نہیں - اگر آپ نے علاقہ اور زمین کو تقدس دیا تو ایک سندھی کے لئے سندھ ایک زیادہ بڑی حقیقت ہے - وہ جب کہتا ہے "مونجھو سندھڑی" (میرا پیارا سندھ) تو اس کے ایک ایک حرف میں اس کے تمام تر جذبات و احساسات اور قلبی کیفیات کی عکاسی ہوتی ہے - سندھ کے ساتھ اس کا زبان کے علاوہ تاریخ و ثقافت کا بھی اشتراک ہے - چنانچہ وطنی قومیت بھی ہمارے ملکی و قومی استحکام کی بنیاد نہیں بن سکتی ' بلکہ یہ اس کے مخالف جاتی ہے - معلوم ہوا کہ علامہ اقبال کا وہ شعر کسی اور مسلمان ملک پر راست آتا ہو یا نہ آتا ہو ' ہم پر سو فیصد راست آتا ہے کہ ۔

اپنی ملّت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمیؐ !

استحکامِ پاکستان کی واحد بنیاد ـــــ اسلام

ہمارے پاس صرف اور صرف ایک ہی چیز ہے جو اس ملک کے استحکام کی بنیاد بن سکتی ہے۔ اور وہ ہے مذہبی جذبہ۔ یہ مذہبی جذبہ ہی پاکستان کو وجود میں لایا تھا اور یہی ہے جو اس کو مستحکم کر سکتا ہے۔ میں چیلنج کرتا ہوں کہ اجتماعیاتِ انسانی (Human Sociology) کا کوئی طالب علم مجھے بتائے کہ اِن جغرافیائی سرحدوں کے ساتھ "پاکستان" کے نام سے یہ جو خطۂ ارضی ہے کیا کوئی اور جذبہ ایسا ہو سکتا ہے جو اس کو جوڑ کر رکھے؟ اس کا جواب یقیناً نفی میں ہے۔ یہ دنیا کا واحد ملک ہے جس کی ولدیت اسلام ہے۔ جیسے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اپنا نام بتایا کرتے تھے: 'سلمان ابن اسلام' اسی طرح یہ ملک پاکستان ابن اسلام ہے!

مذہبی جذبے کے بارے میں البتہ یہ بات نوٹ کیجئے کہ یہ جذبہ دو قسم کا ہے۔ وہ مذہبی جذبہ جو پاکستان کو وجود میں لایا اپنی نوعیت کے اعتبار سے اس مذہبی جذبے سے مختلف تھا جو آج ہمیں درکار ہے۔ اُس مذہبی جذبے میں صرف نام کا اسلام بھی کافی تھا۔ عمل میں اسلام ہو یا نہ ہو اس سے کوئی غرض نہ تھی۔ کوئی شخص کتنا ہی بے عمل ہو، بے نمازی ہو، زانی ہو، شرابی ہو، شراب کا ٹھیکیدار کیوں نہ ہو، اس کے لئے دعوتِ عام تھی "مسلم ہے تو مسلم لیگ میں آ!" بس نام ہونا چاہئے عبدالرحمٰن یا غلام علی، اس کے کردار سے کوئی بحث نہیں، اس لئے کہ مقابلہ ہندو سے تھا۔ لیکن اب وہ معاملہ نہیں چل سکتا کیونکہ وہ ہندو تو اب سرحد کے اُس پار ہے۔ وہاں سے تو ہوا کے دوش پر محبت کے زمزمے آتے ہیں۔ ٹی وی، ریڈیو اور اخبارات کے ذریعے ہم سے دوستی کا دم بھرا جاتا ہے۔ وہاں سے ہر قماش کے طائفے..... طوائفوں سمیت..... چلے آتے ہیں اور آج کے نوجوان مسلم کو اس دامِ فریب سے روکنے والی کونسی چیز ہے؟ تحریک پاکستان کے مذہبی جذبے کا محرک تو ایک ردِّ عمل تھا۔ ع "مسلماں کو مسلماں کر دیا طوفانِ مغرب نے" کے مصداق ہندو کی متعصب ذہنیت نے ہمیں محسوس کرا دیا تھا کہ ہم اور ہیں، وہ اور ہے۔ لیکن وہ جذبہ جو اُس وقت کام دے گیا اب نہیں دے سکتا۔ اب تو حقیقی، واقعی اور عملی اسلام درکار ہے، جسے لوگ پہچانیں کہ یہ اسلام ہے۔ اور وہ ان کے اندر سے جذبۂ ایثار، جذبۂ قربانی اور جذبہ جہاد کو ابھارے۔ یہ جذبے حقیقت کی بنیاد پر ابھرا کرتے ہیں، نعروں کی بنیاد پر نہیں!

پاکستانی معاشرے کا جائزہ اسلام اور ایمان کے حوالے سے

اب ذرا اس اعتبار سے اپنے معاشرے کا جائزہ لے لیجئے - میں یہ جائزہ دو اعتبارات سے لوں گا (۱) اسلام کے ساتھ عملی تعلق کے اعتبار سے اور (۲) اسلام کی جڑ بنیاد' ایمان' کے حوالے سے! میں اپنا مشاہدہ آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں - ممکن ہے کہ آپ میں سے کسی کو اس سے اتفاق نہ ہو - اس کے لئے میں چار ہم مرکز دائروں (Concentric Circles) کی مثال دیا کرتا ہوں - ایک ہی نقطے کے گرد گھومنے والے یہ دائرے مختلف قطر کے حامل ہیں..... ایک چھوٹا دائرہ' پھر ذرا بڑا دائرہ' پھر اس سے بڑا اور پھر بہت بڑا دائرہ - میرے نزدیک ہماری آبادی کا پچاسی فیصد حصہ اس بڑے دائرے میں ہے' جبکہ بقیہ تینوں دائروں میں پندرہ فیصد - ان میں سے بھی دوسرے میں آٹھ فیصد' تیسرے میں پانچ فیصد اور آخری میں دو فیصد سے زائد نہیں - یہ میرا اندازہ ہے - اس تقسیم میں آپ ہندسی اعتبار سے (Numerically) تھوڑا بہت اِدھر سے اُدھر جا سکتے ہیں - سب سے بڑا دائرہ جو ہماری آبادی کے پچاسی فیصد حصے پر محیط ہے' اس کے بارے میں آپ کو یہ ناخوشگوار حقیقت تسلیم کرنا پڑے گی کہ اس کا اسلام سے عملاً کوئی تعلق نہیں ہے - اس لئے کہ عملی تعلق کو جانچنے کے لئے ہمیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پیمانہ عطا فرمایا ہے - آپ نے ارشاد فرمایا :

بَیْنَ الْکُفْرِ وَالْاِیْمَانِ تَرْکُ الصَّلٰوۃِ

کفر اور ایمان کے مابین حد فاصل نماز ہی تو ہے -

آپ اس پیمانے کو ہاتھ میں لے کر ذرا جائزہ لیجئے کہ ہماری آبادی کے کتنے فیصد لوگ نماز پنجگانہ کے پابند ہیں - اس پیمانے پر عوام کو بھی پرکھئے اور خواص کو بھی' گلبرگ اور ماڈل ٹاؤن کے مکینوں کو بھی اور جھگیوں اور فٹ پاتھ پر رہنے والوں کو بھی' بڑے بڑے جاگیرداروں کو بھی اور غریب کسانوں کو بھی ------ آپ کو نسبت و تناسب میں کچھ فرق نظر نہ آئے گا! لے دے کر آپ کو عیدین کی نماز کا کچھ اہتمام نظر آجائے گا' یا پھر مُردے کی تجہیز و تکفین اور شادی کے موقع پر نکاح وغیرہ جیسی سماجی رسومات (Social Customs) مسلمانوں جیسی مل جائیں گی - لیکن دین کے ساتھ عملی تعلق کا اصل معیار تو نماز پنجگانہ

ہے - اس معیار پر آپ کی آبادی کا پچاسی فیصد حصہ پورا نہیں اترتا -

اس بڑے دائرے کو چھوڑ کر آپ اندر کے دائروں کی طرف آئیں تو زیادہ سے زیادہ پندرہ فیصد لوگ وہ ہوں گے جو نماز پنجگانہ کے پابند ہیں - پھر ان میں سے بھی آٹھ فیصد لوگ وہ ہیں جن کا تصوّرِ اسلام محدود (Limited) بھی ہے اور مسخ شدہ (Perverted) بھی! محدود اس معنی میں کہ نماز روزے سے آگے انہیں کوئی سروکار نہیں - اور مسخ شدہ اس معنی میں کہ ان کے ہاں بلیک مارکیٹنگ بھی ہے' سودی کاروبار بھی ہے' جوا اور سٹہ بھی ہے ، Forward Trading بھی ہے' اور جھوٹے اور غلط حسابات بھی ہیں ------ اور اس سب کے ساتھ ساتھ مساجد کی تعمیر بھی ہے' مدارس کے لئے عطیات بھی ہیں اور علماء کی خدمت بھی ہے - ان کے نزدیک مذہب صرف بعض علامات (Symbols) اور رسومات (Rituals) کا مجموعہ بن کر رہ گیا ہے اور اس کا کوئی تعلق نہ انسان کی انفرادی سیرت و کردار سے رہ گیا ہے نہ قومی و ملی امور اور اجتماعی معاملات سے - دین کا یہ تصور محدود بھی ہے اور مسخ شدہ بھی!

اس دوسرے دائرے کے اندر ایک تیسرا چھوٹا دائرہ ہے جو اُن لوگوں پر مشتمل ہے جن کا تصورِ دین و مذہب خاصا وسیع ہے اور وہ جانتے ہیں کہ دینِ اسلام انسان کی پوری زندگی کو اپنے احاطہ میں لینا چاہتا ہے - اس کے ساتھ ساتھ ان کے دلوں میں احیائے اسلام کی آرزو اور اقامتِ دین کی تمنّا بھی موجود ہے ------ لیکن اس طبقے کی ایک بڑی اکثریت اس کے لئے خود کچھ کرنے کے لئے تیار نہیں - وہ اس راہ میں جدّوجہد کرنے والوں کے لئے زبان سے تائید و تحسین کے چند جملے تو ادا کر دیں گے' لیکن خود کسی ایثار و قربانی یا محنت و کوشش کے لئے آمادہ نہ ہوں گے -

ان تینوں دائروں کے اندر ایک نہایت چھوٹا سا دائرہ اُن لوگوں پر مشتمل ہے جنہیں مذہب کے لئے سرگرم کار (Religious Activists) لوگوں کا حلقہ کہا جا سکتا ہے' جس میں ہماری کل آبادی کی ایک یا دو فیصد سے زیادہ تعداد شامل نہیں ہے - تو یہ ہے میرے نزدیک اسلام کے ساتھ ہمارے عملی تعلق کا ایک جائزہ!

اب ایمان کے اعتبار سے بھی جائزہ لے لیں - اس اعتبار سے میں دو حصے کروں گا -

۱۔عوام کا ایمان ۲۔خواص کا ایمان۔عوام کے ایمان کی حیثیت محض ایک "DOGMA" کی ہے۔بس ایک عقیدے کی پوٹلی دماغ کے کسی کونے میں رکھی ہوئی ہے جو عمل پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ان کی حقیقی اقدار یعنی ان کے نزدیک زندگی میں کیا چیز اہم ہے اور کیا اہم نہیں ہے' اس کا کوئی تعلق اس ایمان کے ساتھ نہیں ہے۔جبکہ خواص کا معاملہ یہ ہے کہ تعلیم یافتہ لوگوں میں جو مذہبی لوگ ہیں ان کی اکثریت علماءِ سُوء پر مشتمل ہے۔اگر ایسا نہ ہوتا تو دین کا حُلیہ اس طرح نہ بگڑتا۔ان کا حال بھی یہ ہے کہ ان کے نزدیک اصل شے پیسہ ہی ہے۔ان کے ہاں بھی وہی تنخواہوں کے چکر ہیں' وہی جائیدادیں بنانے کی فکر ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ

لَا یَبْقٰی مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا اِسْمُہٗ وَلَا یَبْقٰی مِنَ الْقُرْاٰنِ اِلَّا رَسْمُہٗ

اسلام میں سے اس کے نام کے سوا کچھ نہیں بچے گا اور قرآن میں سے اس کے حروف کے سوا کچھ نہیں بچے گا۔

وَعُلَمَاؤُھُمْ اَشَرُّ النَّاسِ تَحْتَ اَدِیْمِ السَّمَاءِ

اور ان کے علماء (کا حال یہ ہو گا کہ وہ) آسمان کی چھت کے نیچے کے بدترین انسان ہوں گے۔

ہمارے علماء کی اکثریت کا آج یہی حال ہے۔

دوسری طرف ہمارا جدید تعلیم یافتہ طبقہ الحاد و مادہ پرستی کا شکار ہے اور اپنے دین سے بالکل بے بہرہ اور برگشتہ ہے۔اس کی سب سے بڑی وجہ ہمارا نظامِ تعلیم ہے۔ہماری کتنی بڑی بدقسمتی ہے کہ ہمیں انگریز کی غلامی سے نجات ملے ہوئے نصف صدی ہونے کو ہے' لیکن ہم نے ابھی تک اپنے سابقہ آقاؤں کا دیا ہوا نظام تعلیم سینے سے لگا رکھا ہے۔بہت عظیم ہیں وہ لوگ جو اس نظام تعلیم سے گزر کر بھی اپنے ایمان و اسلام کی پونجی سے ہاتھ نہیں دھو بیٹھتے۔مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کا ایک بڑا بلیغ جملہ ہے کہ "جو شخص اس نظام تعلیم سے گزر کر بھی مسلمان رہ جائے' اس کا معاملہ دو حالتوں سے خالی نہیں رہ سکتا۔یا تو وہ بالکل کودن ہے اور یا مادر زاد ولی ہے"۔یعنی یا تو اسے پتہ ہی نہیں چلا کہ میں نے پڑھا کیا ہے' اور یا وہ مادر زاد ولی تھا جو اس پر کوئی شے اثر کر ہی نہیں سکی۔البتہ سائنس کے

طالب علم اس کے مہلک اثرات سے پھر بھی کسی حد تک بچ جاتے ہیں' اور خود میں بھی اسی لئے محفوظ رہا' کیونکہ سائنس میں مذہب کے ساتھ زیادہ تصادم نہیں ہے - مذہب سے تصادم ہوتا ہے ادب میں' کلچر میں' سوشیالوجی میں' پولیٹکل سائنس میں' فلاسفی میں' سائیکالوجی میں اور تاریخ میں - یہ مضامین مذہب کے سامنے چیلنج پیش کرتے ہیں اور ہمارے نظام تعلیم میں ان کے چیلنج کا کوئی جواب شامل نہیں ہے - چنانچہ طلبہ کی اکثریت اس سے گمراہ ہو جاتی ہے -

---

تصویر کا روشن رُخ

میں نے اب تک جو بات آپ کے سامنے رکھی ہے' اس کا نتیجہ کیا نکلا کہ بڑی تاریکی ہے' بہت اندھیرا ہے' بلکہ تاریکی ہی تاریکی ہے' "ظلمات بعضھا فوق بعض" کا عالم ہے - البتہ اس سب کے باوجود ایک روشن پہلو بھی ہے' جو ہمیں امید کا دامن تھامے رکھنے کا حوصلہ عطا کرتا ہے - اسے ایک لفظ میں بیان کریں تو وہ "مشیتِ ایزدی ہے" -

اسلام کا عالمی غلبہ اور پاکستان

جس طرح آسمان و زمین کی تخلیق میں' گردشِ لیل و نہار میں' آسمان سے نازل ہو کر مردہ زمین کو زندہ کر دینے والی بارش اور اس طرح کی ہزاروں نشانیوں میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مظاہر موجود ہیں' اسی طرح اس کی مشیت کے مظاہر بھی بہت واضح اور نمایاں ہیں - اور محسوس ہوتا ہے کہ اسی خطۂ ارضی سے اللہ تعالیٰ کی وہ عظیم مشیت وابستہ ہے جس کی خبر دی تھی محمدٌ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ وہ وقت آ کر رہے گا کہ پورے کرۂ ارضی پر اللہ کا دین اسی طرح غالب ہو گا جیسا کہ آنحضورؐ کے ہاتھوں جزیرہ نمائے عرب پر غالب ہوا تھا - امام احمد بن حنبلؒ نے حضرت مقداد ابن اسودؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "روئے زمین پر نہ کوئی اینٹ گارے کا بنا ہوا گھر اور نہ کوئی کمبلوں کا بنا ہوا خیمہ باقی رہے گا مگر یہ کہ اللہ اس میں اسلام کا کلمہ داخل کر کے رہے گا --- عزت والے کے اعزاز کے ساتھ اور ذلیل کی ذلت کے ساتھ - یا تو اللہ تعالیٰ

لوگوں کو عزت عطا فرمادے گا اور کلمۂ اسلام کا قائل و حامل بنادے گا یا انہیں مغلوب فرمادے گا کہ اسلام کے محکوم بن جائیں!" یعنی یا تو اس گھر یا خیمہ والے اسلام قبول کرلیں گے اور وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ کے مصداق عزت والے ٹھہریں گے - بصورت دیگر يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صَاغِرُوْنَ کے مصداق انہیں جزیہ دینا پڑے گا اور نیچے ہو کر رہنا پڑے گا - لہٰذا اسلام کو تو ہر گھر میں داخل ہونا ہی ہونا ہے!

دوسری روایت حضرت ثوبانؓ کے حوالہ سے امام مسلمؒ لائے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میرے لئے کُل زمین کو لپیٹ دیا گیا اور مجھے اس کے مشارق و مغارب سب دکھائے گئے - اور یقیناً میری امت کی حکومت اُس پوری زمین پر قائم ہو کر رہے گی جو مجھے دکھائی گئی" - تو یہ مشیّتِ ایزدی ہے جسے پورا ہو کر رہنا ہے اور اس کی خبر دینے والے بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو "الصّادق المصدوق" ہیں - ان کی سچائی میں کوئی شک و شبہ نہیں - اب ظاہر بات ہے کہ اس کا آغاز کسی ایک خطے سے ہوگا - اُس وقت بھی غلبۂ اسلام عرب کے ایک خطے سے شروع ہوا تھا اور پھر جو پھیلا تو اس حد تک کہ ع - تھمتا نہ تھا کسی سے سیلِ رواں ہمارا! ربع صدی سے بھی کم مدّت میں دریائے جیحوں سے لیکر بحرِ ظلمات تک اسلامی حکومت قائم ہوگئی - ع - بحرِ ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے! اور اُس وقت اگر عبداللہ بن سبا کی سرکردگی میں یہود کی سازش کامیاب نہ ہو جاتی جس نے مسلمانوں کو باہم لڑا دیا، تو روئے ارضی کا کوئی خطہ ایسا نہ رہ جاتا جہاں اسلامی اقتدار کا پرچم نہ لہراتا - کون تھا جو اس بڑھتے ہوئے سیلاب کو آگے بڑھ کر روک لیتا - قیصر و کسریٰ کی حکومتیں یعنی اُس دور کی سپر پاورز مسلمانوں کے ہاتھوں ختم ہو چکی تھیں - کوئی طاقت ایسی باقی نہ رہی تھی جو مقابلے پر آسکتی - یہ تو اندرونی انتشار تھا جس کے باعث غلبۂ اسلام کا عمل رک گیا - بہرحال یہ عمل پھر کہیں نہ کہیں سے شروع ہوگا اور مشیتِ الٰہی کے مظاہر اور شواہد یہ بتا رہے ہیں کہ وہ یہی خطۂ ارضی ہے! میں نے یہ شواہد اپنی کتاب "استحکام پاکستان" میں تفصیلاً بیان کئے ہیں، یہاں مختصراً بیان کروں گا -

'الف ثانی' کی تجدیدی مساعی اور برعظیم پاک و ہند

پچھلے چار سو برس کی تاریخ گواہ ہے کہ مجدّدینِ امت اور ان کے تجدیدی کارنامے

ہمیں اسی خطۂ ارضی میں نظر آتے ہیں - سنِ ہجری کے الفِ اول یعنی پہلے ہزار سال پورے ہونے کے بعد گیارہویں صدی ہجری سے چودھویں صدی ہجری تک مجدد الف ثانی شیخ احمدؒ سرہندی، شیخ عبد الحقؒ محدث دہلوی، شاہ اسماعیلؒ شہید، سید احمدؒ شہید بریلوی اور شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ دیوبندی جیسے رجال دین اسی برعظیم پاک و ہند میں پیدا ہوئے - (اس دوران عالم عرب میں ہمیں صرف ایک شخصیت محمد بن عبد الوہابؒ کی نظر آتی ہے جن کا معاملہ، خاص طور پر پاک و ہند میں، خاصا اختلافی (Controversial) ہے - کیونکہ یہاں انگریزوں نے انہیں بہت بدنام کر دیا تھا - انہیں اگرچہ فلسفہ و منطق میں کوئی درک نہیں تھا، لیکن ان کا کام اس اعتبار سے بہت عظیم تھا کہ انہوں نے مشرکانہ اوہام اور رسومات و بدعات کا خاتمہ کیا) تحریکِ شہیدین جیسی عظیم تحریکِ جہاد اسی سرزمین سے برپا ہوئی - پھر چودھویں صدی ہجری میں جتنی عظیم شخصیات اس خطۂ زمین میں پیدا ہوئیں پورا عالم اسلام اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے - شیخ الہند مولانا محمود حسن جیسے جامع صفات مجاہد و عالم دین، مولانا ابو الکلام آزاد جیسا داعیٔ قرآن اور علامہ اقبال جیسا نابغہ روزگار مفکرِ قرآن اور رومیٔ ثانی ------ یہ سب اسی خاک سے اٹھے ہیں - پھر اقامتِ دین کی جدوجہد کے لئے قائم ہونے والی تحریکِ جماعت اسلامی، جس کا لٹریچر پورے عالم اسلام میں پھیلا اور اس نے عالم عرب کی عظیم تحریک "الاخوان المسلمون" تک کو فکری غذا فراہم کی - دوسری طرف علماء کے حلقے سے تبلیغی جماعت کی تحریک بھی یہیں سے اٹھی جو نہ صرف عالم اسلام بلکہ پوری دنیا میں پھیل چکی ہے -

پاکستان کا معجزانہ قیام اور نصرت و حفاظتِ خداوندی

آگے چلئے، کچھ معجزات کا مشاہدہ کیجئے - ان میں سب سے بڑا معجزہ پاکستان کا قائم ہو جانا ہے - اسے کوئی بھی حالات کا نتیجہ ثابت نہیں کر سکتا - خاص طور پر جب قائد اعظم نے کیبنٹ مشن پلان کو مان لیا تھا، اور گویا کہ آزاد پاکستان کے مطالبے سے خود مسلم لیگ دست بردار ہو گئی تھی، اس کے بعد تو پاکستان اللہ نے ٹھونسا ہے آپ پر! اگر پنڈت نہرو کا بیان اس کے خلاف نہ آتا تو کیبنٹ مشن پلان منظور ہو جاتا - اور اس کے مطابق ایک مرکزی

حکومت کے تحت تین زون (Zones) پر مشتمل ہندوستان وجود میں آجاتا- اگر یہ ہو جاتا تو پھر مرکزی حکومت کسی زون کو الگ ہونے دیتی؟ بھارت نے کسی کو علیحدہ ہونے دیا آج تک؟ تو یہ ملک تو اللہ نے اس کے مطالبے سے دست بردار ہو جانے کے باوجود ہمیں عطا کر دیا- اس لئے کہ ہم نے کہا تھا کہ ہم پاکستان اس لئے چاہتے ہیں کہ عہدِ حاضر میں اسلام کے اخوت و حریت و مساوات کا ایک عملی نمونہ دنیا کے سامنے پیش کر سکیں کہ یہ ہے نظام محمدی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام-

مشترکہ دفاع کی پیشکش

پھر آمرِ مطلق ایوب خان کی طرف سے نہرو کے سامنے جائنٹ ڈیفنس سکیم پیش کرنا اور نہرو کا اس سکیم کو رد کر دینا ایک معجزہ نہیں تو اور کیا ہے؟- اس جائنٹ ڈیفنس سکیم کے کیا معانی تھے؟ یہی کہ ہم سے نہیں چلتا یہ ملک 'ہمارا دفاع مشترک ہونا چاہئے- آپ کو معلوم ہے کہ ملک کے بجٹ کا سب سے بڑا حصہ دفاع پر خرچ ہوتا ہے- تو اگر مشترک دفاع ہے تو مشترک بجٹ سازی ہوگی- پھر دفاع کا براہ راست تعلق خارجہ پالیسی سے ہے- اگر دفاع مشترک ہو تو کیا خارجہ پالیسی الگ ہو سکتی ہے؟ گویا کہ ہم خود مستعفی ہو رہے تھے 'ہاتھ جوڑ رہے تھے کہ ہم سے یہ آزادی نہیں سنبھالی جاتی- ع "میں باز آیا محبت سے ....." اُس وقت بھی وہی شخص نہرو ہے کہ جس نے اس تجویز کو ٹھوکر لگائی اور یہ کہا "مشترک دفاع- کس کے مقابلے پر؟" اسی لئے اندرا گاندھی نے کہا تھا کہ ہمارے بابا جان تو صوفی تھے انہیں سیاست نہیں آتی تھی- سیاست تو اس لنکا کی جنی کو آتی تھی کہ جس نے اس ملک کو دو ٹکڑے کر کے رکھ دیا- اس کے باپ نے تو بالواسطہ دو مرحلوں پر پاکستان کو بچایا ہے-

تو نے اچھا ہی کیا دوست سہارا نہ دیا
مجھ کو لغزش کی ضرورت تھی سنبھلنے کے لئے!

۱۹۶۵ء میں دشمن کی مرعوبیت

۱۹۶۵ء کی جنگ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس ملک کی جو حفاظت ہوئی ہے وہ بھی معجزہ نہیں تو اور کیا ہے؟ بی بی سی کوئی بچوں کا کھیل تو نہیں ہے- اس نے نہ صرف سقوطِ

لاہور کی خبر نشر کر دی تھی بلکہ اپنے ٹی وی پر اس کا "منظر" بھی دنیا کو دکھا دیا تھا۔ یعنی سارے دنیوی اندازوں کے مطابق بھارت کی فتح اور پاکستان کی شکست یقینی تھی۔ لیکن دشمن کی افواج مزاحمت کی کمی کی بنا پر اس اندیشے میں مبتلا ہو کر ٹھٹھک کر رکی رہ گئیں کہ ہمیں کسی خوفناک نرغے میں نہ لیا جا رہا ہو! گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ (الانفال: ۱۲) "میں عنقریب کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا" کی عملی تفسیر دنیا کو دکھا دی گئی!

۱۹۷۱ء میں مغربی پاکستان کی حفاظت

۱۹۷۱ء میں ہمیں قیام پاکستان کے اصل مقصد سے انحراف اور اپنی بداعمالیوں کی سزا بھارت کے ہاتھوں ذلت آمیز شکست اور اپنے مشرقی بازو کی علیحدگی کی صورت میں ملی۔ لیکن اس موقع پر بھی مغربی بازو کا بچ جانا اللہ تعالیٰ کا ایک معجزہ ہے۔ اس مرحلے پر بھی اللہ تعالیٰ کی خصوصی مشیت کا ظہور ہوا۔ اگر اس موقع پر امریکی صدر نکسن کی روسی صدر کوسیجن سے ہاٹ لائن پر بات چیت نہ ہوتی اور وہ اندرا گاندھی کو جنگ بندی کا حکم نہ دیتا تو میں دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ مغربی پاکستان زیادہ سے زیادہ چھ دن کی مار تھی۔ ہماری افواج دفاع کے قابل ہی نہ رہی تھیں۔ ائیر فورس مفلوج ہو چکی تھی' نیوی تو گویا موجود ہی نہیں رہی تھی۔ دشمن کے حوصلے اتنے بلند تھے کہ وہ کیماڑی میں آ کر مار گئے تھے۔ میدانی محاذوں میں سے دو محاذوں پر بھارت کی پیش قدمی جاری تھی --- یعنی راجستھان میں بھی اور سیالکوٹ کی جانب سے بھی لے دے کر ایک سلیمانکی سیکٹر تھا جس پر ٹکا خان ایک ٹاسک فورس لیکر بیٹھے ہوئے تھے۔ سقوط مشرقی پاکستان کے بعد ہندوستان کا مورال (Morale) آسمان پر تھا اور ہمارا پاتال میں۔ ہمارے ایک لاکھ جوان اور آفیسرز ان کی قید میں تھے اور ہمارا ارب ہا ارب ڈالر کا اسلحہ اور دیگر جنگی ساز و سامان ان کے قبضے میں آ گیا تھا۔ وہ اُس وقت اپنی پوری کی پوری قوت اس مغربی محاذ پر جھونک دیتے تو بڑی آسانی سے اس حصے پر بھی قابض ہو سکتے تھے لیکن یہ صرف اور صرف مشیتِ الٰہی ہے جس کے نتیجے میں یہ خطہ ہندو کی دست برد سے محفوظ رہا۔

قراردادِ مقاصد

اس سلسلے کا چوتھا معجزہ قراردادِ مقاصد کا پاس ہو جانا ہے- بیسویں صدی کے وسط میں دس کروڑ افراد پر مشتمل ایک قوم کا اپنی زبان یعنی دستور ساز اسمبلی کی زبان سے کلمۂ طیبہ ادا کرنا واقعتہً ایک معجزہ سے کم نہیں- ہماری دستور ساز اسمبلی میں اُس وقت ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے کہا تھا کہ آج ہم دنیا کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے -ع- کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں! قومی سطح پر لا الٰہ الّا اللہ کا اعلان اور خدا کی حاکمیت کا اقرار اس بات پر شاہد ہے کہ اللہ کی کوئی مشیّت اس خطے کے ساتھ وابستہ ہے-

اُمید کی مزید کرنیں

بندۂ مومن کا معاملہ "بین الخوف والرّجاء" رہنا چاہئے یعنی امید بھی ہو اور خوف بھی ہو- چنانچہ اس اعتبار سے اپنے کرتوت دیکھیں تو خوف ہی خوف ہے' تاریکی ہی تاریکی ہے- لیکن اللہ کی رحیمی اور شانِ غفوری کو دیکھیں تو امید کی مشعلیں روشن ہو جاتی ہیں- اس کی شان یہ ہے کہ وہ مردہ کو زندہ کرتا ہے- بفحوائے الفاظ قرآنی :

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا

"وہ نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے- اور زندہ کرتا ہے
زمین کو اس کی موت کے بعد!" (الروم: ۱۹)

حضرت عزیر علیہ السلام نے یروشلم کے شہر کو تباہی و بربادی کی ایسی کیفیت میں دیکھا تھا کہ اُس وقت اس کی کوئی دو اینٹیں بھی سلامت نہیں تھیں- ہیکل سلیمانی کی بنیادیں کھود دی گئی تھیں- بارہ لاکھ کی آبادی کے اس شہر میں ایک متنفس بھی نہیں تھا- آپ ذرا تصور تو کیجئے کہ یروشلم اڑھائی ہزار سال پہلے بارہ لاکھ کی آبادی پر مشتمل ایک شہر تھا- بیبی لونیا کے بادشاہ بخت نصر نے چھ لاکھ افراد کو قتل کر دیا اور چھ لاکھ کو قیدی بنا کر ساتھ لے گیا- حضرت عزیرؑ نے جب اس اجڑے ہوئے شہر کو دیکھا تو مایوسی کی کیفیت میں ان کی زبان سے یہ الفاظ نکلے- **اَنّٰى يُحْيِ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا**

اللہ اس بستی کو اتنا برباد ہونے کے بعد کیسے زندہ کرے گا؟

اللہ تعالیٰ نے خود ان پر ایک سو برس کے لئے ایک عارضی موت طاری کر دی اور اس عرصے میں انقلاب آگیا- سو برس کے بعد حضرت عزیرؑ کی آنکھ کھلی تو دیکھا کہ شہر آباد ہے- اس لئے کہ سائرس نے جنہیں ذوالقرنین کہا جاتا ہے بیبی لونیا پر حملہ کیا تھا اور ان یہودیوں کو یروشلم جا کر اپنا شہر دوبارہ آباد کرنے کی اجازت دے دی تھی- چنانچہ شہر آباد ہو گیا- ہیکل دوبارہ تعمیر ہو گیا- اب حضرت عزیرؑ آئے تو انہوں نے تجدیدِ ایمان اور توبہ کی دعوت دینی شروع کی- آپ کی دعوت پر لبیک کہنے کے نتیجہ میں از سرِ نو ایک حیاتِ تازہ اس قوم کو مل گئی اور پھر ایک عظیم مکابی سلطنت وجود میں آئی جو کئی سو برس تک قائم رہی- تو اللہ تعالیٰ کو قدرت حاصل ہے کہ وہ مردہ قوموں کو بھی حیاتِ نو عطا کر دیتا ہے-

اسی شہر لاہور میں ملتِ اسلامیہ کا اس صدی کا سب سے بڑا حدی خواں 'سب سے بڑا مفکر اسلام اور ترجمان القرآن مدفون ہے- عملی اعتبار سے اگرچہ ان میں بہت کمزوریاں تھیں ——— اللہ ان کی خطاؤں سے درگزر فرمائے ——— لیکن فکری اعتبار سے وہ بہت بلند تھے- اس دور کے دوسرے جتنے بھی مفکر اور دانش ور ہیں 'معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی نہ کسی اعتبار سے اقبالؔ اور اس کی فکر کے خوشہ چیں ہیں- پھر یہی وہ سرزمین ہے جو شہدائے بالاکوٹ کے خون کی امین ہے- لہٰذا ان روشن پہلوؤں کو بھی سامنے رکھئے!

پس چہ باید کرد

اب آیئے اس بات کی طرف کہ اس خطۂ زمین 'اس ملکِ خداداد کے مستقبل کو روشن اور تابناک بنانے کے لئے ہمیں کیا کرنا ہے؟ اس کے لئے میں آپ کے سامنے چھ نکات رکھ رہا ہوں- اصلاً ایک سہ نکاتی پروگرام ہے جسے عوامی سطح پر متعارف کرانا اور وسیع پیمانے پر پھیلانا ناگزیر ہے ——— اور طبعاً اس کے ساتھ موجودہ حالات میں تین تجاویز ہیں- عوامی سطح پر کرنے کے تین کام یہ ہیں-

۱- جہاد بالقرآن

ہمارے پاس اصل طاقت یہ قرآن ہے جس کے ذریعے سے ہم اپنے معاشرے کو غلط نظریات اور منکرات و فواحش سے پاک کر سکتے ہیں- یہ وہ نسخۂ کیمیا ہے جس کے بارے میں

کہا گیا۔

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

یہ قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل معجزہ ہے - اور یہ دیگر تمام انبیاء و رسل کو عطا ہونے والے معجزات سے عظیم تر ہے - اس کی تاثیر عصائے موسیٰؑ سے ہزار گنا بڑھ کر ہے - عصائے موسیٰؑ تو صرف اُسی وقت کارگر ثابت ہوتا تھا جب وہ حضرت موسیٰؑ کے ہاتھ میں ہوتا تھا' لیکن یہ کتابِ معجز نما تا قیامِ قیامت اپنے کمالات و انوار سے دنیا کو فیض یاب کرتی رہے گی -

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ جب اپنے دَور کے جادوگروں سے ہوا اور جادوگروں کی ڈالی ہوئی رسیاں اور لاٹھیاں سانپ بن کر حرکت میں آگئیں تو بربنائے طبع بشری حضرت موسیٰؑ کو خوف لاحق ہوا - خیال آیا کہ یہی تو میرا معجزہ تھا - میری لٹھیا سانپ بنتی تھی' وہی انہوں نے کر کے دکھادیا - اب کیا ہوگا؟ کہا گیا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى - موسیٰ مت ڈرو' یقیناً تم ہی غالب رہو گے! وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا - " اور تو ڈال جو تیرے دائیں ہاتھ میں ہے کہ نگل جائے جو کچھ انہوں نے بنایا ہے " - موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا زمین پر ڈالا تو وہ اژدہا بن کر ان سب کو ہڑپ کر گیا - اس پر جادوگر فوری طور پر سجدہ میں گر پڑے اور ایمان لے آئے - آج دورِ جدید کے جادوگروں سے نمٹنے کے لئے ہمارے پاس جو معجزہ موجود ہے اس کے سامنے عصائے موسیٰؑ کی کیا حیثیت ہے! ع در بغل داری کتابِ زندہ - آج اصل ضرورت اس معجزہ سے کام لینے کی ہے - ہمیں اس کے نور سے نہ صرف اپنے قلوب و اذہان کو بلکہ ماحول اور چہار دانگِ عالم کو منور کرنا ہے - یہ بہت بڑا کام ہے اور یہ کام ہمیں ہر سطح پر کرنا ہے --- (i) اعلیٰ ترین علمی سطح پر (ii) عوامی سطح پر (iii) قومی سطح پر (iv) بین الاقوامی سطح پر -

اعلیٰ ترین علمی سطح پر قرآن حکیم کی حکمت و ہدایت کو پیش کیا جائے تاکہ جدید نظریات کا ابطال ہو' غلط فلسفے ختم ہو کر رہ جائیں' یہ قرآن ہڑپ کر جائے ان تمام غلط نظریوں کے سانپوں کو جو چلتے پھرتے نظر آ رہے ہیں - عوامی سطح پر بھی اس کی ترویج و اشاعت اور تعلیم و تبلیغ ضروری ہے' کیونکہ یہ منبعِ ایمان اور سرچشمۂ یقین ہے - پھر اس

کی ضرورت قومی سطح پر بھی ہے اور بین الاقوامی سطح پر بھی' کیونکہ ہماری اصل طاقت یہی نظریئے کی طاقت ہے - میں نے گزشتہ دنوں کشمیر کے مسئلے پر ہونے والی بریفنگ میں کہا ہے کہ ہماری اصل طاقتیں دو ہیں جنہیں ہم استعمال نہیں کر رہے ------ (i) ہمارے پاس نظریئے کی طاقت ہے یعنی ایمان - (ii) اور ہمارے پاس نظام کی طاقت ہے یعنی اسلام - اسلام جیسا عادلانہ نظامِ اجتماعی دنیا میں کسی قوم کے پاس موجود نہیں ہے - لیکن ہم نے اپنی ان طاقتوں کو چھپا کر رکھا ہوا ہے - ہم گنتی کرتے ہیں کہ ہمارے پاس اتنے ڈویژن فوج ہے اور اُن کے پاس اتنے ڈویژن' ہماری فضائیہ اتنے سکواڈرن پر مشتمل ہے اور ان کی اتنے سکواڈرن پر! اور جو اصل طاقت ہے' اصل عصائے موسوی بلکہ اس سے بھی ہزار گنا بڑی طاقت اس کی طرف ہماری کوئی توجہ نہیں -

اس ضمن میں اللہ کا شکر ہے کہ میری ایک تالیف "دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر" منظرِ عام پر آگئی ہے - اس کا مطالعہ ضرور کر لیجئے - میں نے رجوع الی القرآن کی اس دعوت میں اپنی زندگی کے پچیس برس لگائے ہیں - فالحمد للہ علیٰ ذالک - اور وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ کے حکم کے تحت کہہ رہا ہوں کہ میں نے اپنی اولاد کو بھی اسی کام میں لگایا ہے - اور بحمد اللہ میرے تین بیٹوں سمیت کم سے کم پچیس ایسے نوجوان تیار ہو چکے ہیں جو قرآن کو اس علمی اور اعلیٰ سطح پر دلیل کے ساتھ پیش کر سکتے ہیں -

گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں
یہاں اب مرے رازداں اور بھی ہیں

اور اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کیا بعید ہے کہ وہ میری طرح کے ہزاروں اسرار پیدا کر دے - بہرحال کرنے کا پہلا کام یہی "جہاد بالقرآن" ہے -

۲- نہی عن المنکر بالید

اس ضمن میں کرنے کا دوسرا کام قوت کے ساتھ منکر کا استیصال کرنا ہے' طاقت کے ساتھ بدی کو روکنا اور بدلنا ہے - اس کے لئے ایک جماعت کی تیاری ناگزیر ہے - اس جماعت کے لئے کچھ شرائط و لوازم ہیں -

i) پہلی شرط یہ کہ یہ ایسے افراد پر مشتمل ہو جو اپنے اوپر اللہ کے دین کو نافذ کر لیں' اور یہی مشکل کام ہے - ع منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں!

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث جسے امام مسلمؒ نے روایت کیا ہے 'میں اپنے خطابات میں بکثرت سنا چکا ہوں - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "مجھ سے پہلے مبعوث ہونے والے ہر نبی اور رسول کے کچھ نہ کچھ حواری اور صحابہ ہوتے تھے - جو نبی کی سنت کو مضبوطی سے پکڑتے تھے اور اس کے حکم کے مطابق پیروی کرتے تھے - پھر ان کے بعد ایسے ناخلف لوگ آجاتے تھے جو کہتے وہ تھے جو کرتے نہیں تھے' اور کرتے وہ تھے جس کا انہیں حکم نہیں دیا گیا تھا - پس جو شخص ایسے لوگوں کے ساتھ اپنے ہاتھ سے جہاد کرے وہ مومن ہے اور جو ان سے اپنی زبان سے جہاد کرے وہ مومن ہے 'اور جو ان سے اپنے دل سے جہاد کرے وہ مومن ہے اور اس کے بعد تو ایمان رائی کے دانے کے برابر بھی نہیں!" چنانچہ ایسے لوگوں پر مشتمل ایک جماعت کا قیام ناگزیر ہے - لیکن ان لوگوں کے لئے پہلے اپنے اوپر اسلام کا نفاذ ضروری ہے - اس کے بغیر وہ اس مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے -

ii) اس جماعت کے لئے دوسری شرط یہ ہے کہ اس میں جمع ہونے والے افراد منظم ہوں اور ' سمع وطاعت ' کے اصول پر کاربند ہوں - غیر منظم لوگوں کا ہجوم جو اپنی مرضی کا مالک ہو محض MOB ہوتا ہے 'جس سے کوئی خیر وجود میں نہیں آتا - اس سے تخریب ہو سکتی ہے تعمیر نہیں - ضرورت ایک ایسی جماعت کی ہے جو طاقت کے ساتھ برائیوں کا استیصال کرے - تنظیم اسلامی کے عنوان سے ہم یہی کوشش کر رہے ہیں - اسی کے پندرہویں سالانہ اجتماع کے ساتھ یہ جلسہ رکھا گیا ہے - اس ضمن میں بھی میں اپنی ایک کتاب "منہج انقلاب نبوی" کا حوالہ دینا ضروری سمجھتا ہوں 'جس میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے کہ اسلامی انقلاب کا نبوی طریق کیا ہے -

۳ - قرآن و سنت کی بالادستی کی مہم

تیسرا اہم کام عوامی سطح پر ایک نکاتی مطالبہ اٹھانے کا ہے - اور وہ یہ کہ آئین میں قرآن و سنت کی بالادستی تسلیم کی جائے - اس کے لئے فضا ہموار کرنے کی ضرورت ہے - اس کی خاطر دستخطوں کی مہم چلائی جائے - صرف یہ مطالبہ اٹھایا جائے کہ آئین میں کتاب و سنت کی مطلق بالادستی بغیر کسی استثناء اور تحفظات کے تسلیم کی جائے - اس کے

لئے کسی لمبے چوڑے شریعت بل کی ضرورت نہیں ' جس کی ایک ایک شق پر جھگڑا ہو - درحقیقت قرارداد مقاصد کے بعد دوسرا قدم یہی تھا' لیکن لوگ بھٹک گئے اور سیاسی جنگوں میں مصروف ہوگئے - انہوں نے انتخابات کے میدانوں کے اندر اپنی توانائیاں ضائع کر دیں - ضرورت یہ تھی کہ اگلا معاملہ طے کرایا جاتا کہ دستور میں کتاب و سنت کی بالادستی ہو - اگر یہ بات دستور میں طے ہو جائے تو ایک طریق کار جاری ہو جائے گا - کوئی بھی شخص عدالت میں جائے اور وہاں ثابت کر دے کہ یہ شے کتاب و سنت کے خلاف ہے' تو عدالت کے فیصلہ سے وہ کالعدم (Null and Void) ہو جائے گی -

ہمارے ہر دستور میں اگرچہ یہ دفعہ ہمیشہ سے موجود رہی ہے کہ

"No Legislation Will Be Done Repugnant To The Quran And The Sunnah"

لیکن اس کی حیثیت ایک رہنما اصول (Directive Principle) کی رہی ہے - اور چونکہ یہ Operative Clause نہیں' اس لئے عدالتیں اس کے مطابق فیصلے نہیں کر سکتیں - اگر اسے رہنما اصولوں سے اٹھا کر Operative Clause بنا دیا جائے تو یہ ایک دفعہ قرآن و سنت کی بالادستی کے لئے کافی ہے - حضورؐ کے چچا ابو طالب نے جب سردارانِ قریش کے وفد سے یہ کہا تھا کہ تم میرے بھتیجے کے درپے آزار کیوں ہو؟ وہ تم سے صرف ایک بات' ایک کلمہ ہی کا تو مطالبہ کرتا ہے ------ تو جواب میں ابو سفیان نے کہا تھا" وہ جو ایک کلمہ ہم سے طلب کر رہا ہے وہ ہمارے سارے معبودوں کو ختم کر دینے والا ہے " - وہی بات میں کہہ رہا ہوں کہ یہ ایک دفعہ ہر خلافِ قرآن و سنت قانون کو ختم کر کے رکھ دے گی' اگرچہ عدالتی طریق کار کے مطابق اس میں وقت لگے گا - لیکن اس دفعہ کو دستور میں لے آنا اتنا آسان نہیں ہے -

کاش کہ اس قوم کے اندر پھر اسی طرح اتفاق و اتحاد پیدا ہو جائے جس طرح کہ پہلی مرتبہ دستوری مہم کے موقع پر ہوا تھا - اُس وقت مسلم لیگ کی حکومت تھی اور مسلم لیگ کو اس کی تائید کرنا پڑی - مولانا شبیر احمد عثمانی نے اسمبلی کے اندر دھمکی دی تھی کہ اگر اس کو منظور نہیں کرو گے تو میں باہر جا کر کہہ دوں گا کہ یہ سب دھوکے باز ہیں' مسلم لیگ نے اسلام کے نام پر دھوکہ دیا ہے - لیکن وہ وقت تھا جبکہ جماعت اسلامی ابھی سیاست میں

انتخابی حریف کی حیثیت سے نہیں آئی تھی - جب جماعت انتخابات میں حریف بن کر آ گئی تو صورت حال مکمل طور پر تبدیل ہو گئی - اب پارٹی پالیٹکس کا معاملہ آ گیا -

ہماری سوچ یہ ہے کہ اسی طریق کار کو دوبارہ اختیار کیا جائے - اُسی طرز پر یہ مطالبہ پھر اٹھایا جائے - اور اسے لے کر وہ جماعت اٹھے جو کبھی انتخابات میں نہ آئے - وہی جماعت یہ مطالبہ منظور کروا سکتی ہے کہ اس ملک کے اندر ہر اعتبار سے کتاب و سنت کی بالادستی ہو گی' اور اس میں کوئی اُستثناء نہیں ہو گا - ہمارا دین کلی اطاعت کا تقاضا کرتا ہے - استثناءات اور تحفظات کے ساتھ دین کو ماننا اللہ کی نگاہ میں برملا اور اعلانیہ کفر سے زیادہ ناپسندیدہ ہے - ارشاد باری تعالیٰ ہے :

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ - فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰى اَشَدِّ الْعَذَابِ -

"کیا تم کتاب (اور شریعت) کے ایک حصے کو مانتے ہو اور ایک حصے کو نہیں مانتے ؟ تو جو کوئی تم میں سے یہ طرز عمل اختیار کرے گا اس کی اس کے سوا کوئی سزا نہیں سوائے دنیوی زندگی میں ذلت و رسوائی کے ! اور قیامت کے دن انہیں شدید ترین عذاب میں جھونک دیا جائے گا !" -

اس لئے اگر ہم دین و شریعت پر عمل درآمد میں استثناءات رکھیں گے تو اس آیت کا مصداق بنیں گے - اعاذنا اللہ من ذالک -

یہ سہ نکاتی پروگرام ہے جو میں نے آپ کے سامنے پیش کیا ہے - سب سے پہلا کام جہاد بالقرآن ہے - اپنے نونہالوں کو' اپنے ذہین ترین بیٹوں کو اس کام کے لئے وقف کیجئے - یہ ہے سب سے بہتر اور سب سے اعلیٰ کام - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ

تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور اسے سکھائے !

ذرا غور کیجئے کہ محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس کام کو بہترین کہہ رہے ہیں اور ہماری ترجیحات کیا ہیں - یا تو یہ کہئے کہ محمدؐ کی صداقت پر ہمیں اعتماد نہیں' یا پھر اپنے بہترین بیٹوں کے لئے یہ کیریر اختیار کیجئے - دوسرا کام طاقت کے ساتھ بدی کے استیصال کے لئے ایسے

لوگوں کی ایک جماعت جو خود اپنے اوپر دین کو قائم کریں اور سمع و طاعت کے نظم میں منسلک ہوں - اور تیسرا کام عوامی سطح پر دستور میں کتاب و سنت کی بالادستی تسلیم کروانے کا مطالبہ -

قومی سیاست کے حوالے سے تین مشورے

اس کے علاوہ مجھے تین باتیں مزید عرض کرنا ہیں - یہ قومی سیاست کے حوالے سے تین مشورے ہیں -

i) اگر اس ملک کی عافیت درکار ہے اور اس کی بقاء مطلوب ہے تو جمہوریت جیسی بھی ہو ------ بری ہو، بھلی ہو، لنگڑی ہو، لولی ہو، ٹوٹی ہو، پھوٹی ہو، اس کی تائید کیجئے - کیونکہ اسلام کا گھوارا اگر بنانا ہے تو ملک تو چاہئے - مارشل لا ملکی سلامتی کے لئے مہلک ہے - میں سمجھتا ہوں کہ شاید اس پوری دنیا کے اندر اس وقت شخصی اعتبار سے ضیاء الحق سے بہتر مارشل لا ایڈمنسٹریٹر نہیں مل سکتا، لیکن وہ بہرحال مارشل لا ایڈمنسٹریٹر تھا - اور مارشل لا سے تباہی آئی ہے - میری جب ان سے پہلی ملاقات ہوئی تھی ۱۸ اگست ۱۹۸۰ء کو تو میں نے یہ کہا تھا کہ آپ کا یہاں انتخابات نہ کرانا خودکشی کے مترادف ہے - وہ تو اُس وقت اللہ نے بچالیا ورنہ ۱۹۸۳ء میں سندھ میں مشرقی پاکستان والا حادثہ ہو چکا ہوتا - کسر کیا رہ گئی تھی؟ اُس وقت سندھ میں علیحدگی کی تحریک عروج کو پہنچ چکی تھی - ریل کی پٹڑیوں کے سلیپر جلائے جاتے تھے - اُس وقت علیحدگی پسندوں کے پاس بم نہیں تھے - اگر ان کے پاس بم بھی ہوتے تو اس پاکستان کے بچنے کی بظاہر کوئی صورت نہ تھی! ۱۹۸۲ء میں میں نے اس خطرے کا اظہار کیا تھا اور کہا تھا کہ مجھے بالکل مشرقی پاکستان کے سے حالات نظر آ رہے ہیں - اور ۱۹۸۳ء میں وہی حالات سامنے آ گئے - ۱۹۸۲ء میں میں نے ضیاء الحق صاحب کو خط لکھا جو روزنامہ جنگ میں چھپ بھی گیا کہ: "مجھے اندیشہ ہے کہ تاریخ میں یہ نہ لکھا جائے کہ ۱۹۷۷ء میں وقت کی جو عظیم ترین مسلمان مملکت دنیا کے نقشے پر ظاہر ہوئی تھی اسے پہلے دولخت کیا ایک شرابی اور زانی ٹولے نے اور اس کے مزید حصے بخرے ہونے کا عمل ایک ایسے شخص کے ہاتھوں ہوا جو نمازی اور پرہیزگار تھا" - یہ میرا تاریخی جملہ ہے - بہرحال مارشل لاء کی طرف کوئی قدم نہیں اٹھنا چاہئے - وہ اس ملک کے لئے انتہائی مہلک اور خودکشی کے مترادف ثابت ہوگا - میرے نزدیک بدترین جمہوریت بھی بہترین مارشل لاء سے بہتر ہے - اور یہ میں عرض کرتا

چلوں کہ جیسے جمہور ہوں گے ویسی ہی جمہوریت ہوگی - چنانچہ ہارس ٹریڈنگ بھی ہوگی' بکاؤ مال کی خرید و فروخت ہوگی' لیکن اس کے باوجود انتخابی عمل جاری رہنا چاہئے - کوئی بھی سیاسی تبدیلی ووٹ کے ذریعے دستور کے مطابق ہونی چاہئے - جمہوریت کی گاڑی کو پٹڑی کے اوپر چلنا چاہئے - اس کا پٹڑی سے اترنا مکمل تباہی کا باعث ہوگا -

ii) دوسرا نکتہ یہ کہ جمہوریت کے لئے بنیادی ضرورت ہے دو مضبوط جماعتوں کی - پیپلز پارٹی نے ثابت کیا ہے کہ وہ ایک جماعت ہے - گیارہ برس حکومت سے باہر رہنے اور مخالفت و تشدد کا نشانہ بننے کے باوجود اس نے اپنے وجود کو قائم رکھا - ہماری سیاسی تاریخ تو یہ ہے کہ جب ری پبلکن پارٹی کی حکومت ختم ہوئی تو اس کے ساتھ ہی یہ پارٹی بھی اس طرح ختم ہوگئی کہ کہیں اس کی کوئی نشانی بھی نہیں رہ گئی - لیکن پیپلز پارٹی واقعتاً ایک پارٹی ہے - اس کے مقابلے میں ایک دوسری پارٹی آنی چاہئے - میرے خیال میں مسلم لیگ اس کے لئے موزوں ترین جماعت ہے - اس کے لئے بھی اللہ کے فضل و کرم سے اچھے آثار دکھائی دیتے ہیں - جونیجو صاحب جس انداز میں چل رہے ہیں' محسوس ہوتا ہے کہ شاید وہ مسلم لیگ کو دوبارہ ایک قوت بنالیں - ہماری خواہش اور تائید اس بات کے حق میں ہے - اس لئے کہ یہ جمہوریت کا خاصہ ہے اور اس کے لئے شرط لازم ہے - جمہوریت کی گاڑی ایک پہیئے پر نہیں چل سکتی - جہاں تک متحدہ محاذوں کا تعلق ہے وہ اس گاڑی کے چلنے میں کوئی مدد نہیں دے سکتے' بلکہ اس کی راہ میں روڑے اٹکانے والے ہیں - اسلامی جمہوری اتحاد اور سی او پی وغیرہ میں شامل جماعتوں کے مابین کوئی نظریاتی ہم آہنگی نہیں - ان میں وہ بھی ہیں جو جہادِ افغانستان کو قرونِ اولیٰ کے ساتھ جوڑ رہے ہیں کہ دورِ صحابہؓ کے بعد ایسا جہاد نہیں ہوا اور وہ بھی جو اسے فساد کہہ رہے ہیں - لیکن وقتی سیاست کے لئے سب جڑے بیٹھے ہیں - یہی وہ بے اصولی ہے جس نے اس ملک میں ساری بربادی پیدا کی ہے - ایک مضبوط پارٹی کے مدّ مقابل دوسری مضبوط پارٹی ہی آنی چاہئے -

iii) اور تیسری بات یہ کہ جب تک کوئی جماعت ایک قیادت کے تحت ایک منظم اور تربیت یافتہ جمعیت پیدا نہ کرلے کسی بھی حساس مذہبی معاملے پر لوگوں کو سڑکوں پر نکالنا نہ ملک و قوم کے لئے درست ہے' نہ ان لوگوں کے لئے درست ہے اور نہ ہی دین کے لئے درست ہے - اس طرح سے دین بدنام ہوتا ہے - شیطان رشدی کے مسئلے پر کئی اسلامی

ممالک میں لوگوں نے مظاہرے کئے لیکن وہ دندناتا پھر رہا ہے - چھ نوجوان یہاں اپنی جانیں دے بیٹھے' پندرہ سولہ ہندوستان میں جاں بحق ہو گئے' لیکن اس کے باوجود اس کم بخت کا بال بیکا نہیں ہوا - ایک زمانہ وہ تھا کہ ایک غیور نوجوان غازی علم الدین نے غیرت ایمانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے دل آزار کتاب کے مصنف کو جہنم رسید کر دیا - اور اس کے بعد اس نے پھانسی پر چڑھنا قبول کر لیا لیکن اپنا بیان بدلنے پر راضی نہیں ہوا - قائد اعظم بھی آئے تھے اس کا مقدمہ لڑنے کے لئے اور اسے کہا تھا کہ قانون کی ضرورت ہے کہ کچھ تو کہا جائے - لیکن اس نے کہا کہ میں کچھ کہنے کو تیار نہیں' بس میں نے مارا ہے اسے ! - اُس ایک نوجوان کا وہ جذبہ مسئلے کو حل کر گیا اور یہاں سیاسی شعبدہ باز' ہارے ہوئے سیاست دان اپنی سیاست کی دکان چمکانے کے لئے اس طرح کے مسئلے اٹھاتے ہیں - خود ان کا بال بیکا نہیں ہوتا اور دوسروں کے گھروں کے چراغ گل ہو جاتے ہیں -

میری یہ سوچی سمجھی رائے ہے کہ کسی بھی حساس مذہبی مسئلے پر غیر منظم اور غیر تربیت یافتہ لوگوں کو سڑکوں پر نکالنا نہ اسلام کی خیر خواہی ہے' نہ لوگوں کی خیر خواہی ہے اور نہ اس ملک کی خیر خواہی ہے' بلکہ تینوں کے ساتھ دشمنی ہے - اس کا صحیح طریق کار وہی ہے جو میں عرض کر چکا ہوں کہ پہلے ایک منظم جماعت تیار کر کے دکھایا جائے کہ یہ ہیں ایک حکم پر بڑھنے والے اور ایک حکم پر رک جانے والے لوگ - یہ ہیں جنہوں نے دین کو اپنے اوپر نافذ کیا ہے - انہیں حق پہنچتا ہے کہ مطالبہ کریں دین کا - میں نے جو سہ نکاتی پروگرام بیان کیا ہے اس میں دوسرا نکتہ یہی ہے لیکن اس کے لئے شرط لازم یہ ہے کہ جب تک یہ جماعت تربیت کے مرحلے سے پوری طرح گزر نہ جائے تصادم مول نہ لے - محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مکے میں اپنی دعوت کے آغاز ہی میں بت نہیں توڑ دیئے تھے - بارہ برس تک تو حکم یہ تھا کہ چاہے تمہاری بوٹیاں نوچ لی جائیں تم کوئی جوابی کارروائی (Retaliation) نہیں کرو گے - سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اسی بیت اللہ میں نماز پڑھتے رہے اور اسی کعبے کا طواف کرتے رہے جس میں تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے - ہاں' زبان سے توحید کی دعوت دیتے رہے اور برملا کہتے رہے کہ یہ سب غلط ہے -

اِنْ هِیَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّیْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ

یہ تو بس کچھ نام ہیں جو رکھ لئے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے۔
اللہ نے نہیں اتاری ان کی کوئی سند!

لہٰذا پہلے جماعت منظم کیجئے۔ افراد کی تربیت کیجئے۔ اس دوران دعوت و تبلیغ کا کام کیجئے۔ نہی عن المنکر باللّسان کیجئے۔ لیکن ابھی اقدام کا وقت نہیں۔

نغمہ ہے بلبلِ شوریدہ ترا خام ابھی
اپنے سینے میں اسے اور ذرا تھام ابھی

اور

خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا ایک انبار تو
پختہ ہو جائے تو ہے شمشیر بے زنہار تو

جب معتد بہ تعداد میں مقصد سے والہانہ لگاؤ رکھنے والے' تربیت یافتہ اور منظم افراد پر مشتمل جماعت تیار ہو جائے تو اب منکرات کو چیلنج کیجئے۔ بدی کے ساتھ ٹکرا جایئے اور قوت و طاقت کے ساتھ اسے ملیامیٹ کر دیجئے!! لیکن غیر منظم اور غیر تربیت یافتہ لوگوں کے محض مذہبی جذبات مشتعل کر کے انہیں سڑکوں پر لے آنا ہر اعتبار سے مضر ہے۔

میں آپ حضرات کا بہت ممنون ہوں کہ آپ نے میری بات توجہ سے سنی ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو بھی ان تمام امور پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

اقول قولی هذا واستغفر الله لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات۔○○

اطلاع برائے تبدیلی پتہ

احباب نوٹ فرمالیں کہ تنظیم اسلامی گجرات شہر نے اپنا دفتر درج ذیل مقام پر منتقل کر لیا ہے:

پرانی سبزی منڈی عقب رکیس پلازہ حسن چوک گجرات

یہاں محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی کتب و کیسٹس دستیاب ہیں

قرآن
ایک انقلاب آفرین کتاب

ازقلم: پروفیسر محبوب الرحمٰن
(خطیب جامع سلطانی، مظفرآباد)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمْ

الحمد للہ علی نعمائہ، وصلاتہ وسلامہ علی خاتم
أنبیائہ، وعلی الہ واصحابہ واولیائہ۔ اللّٰھُمَّ
انی احمدک ارضی الحمد لک، واحب الحمد الیک، وافضل
الحمد عندک، حمدًا لاینقطع عَدَدُہ، ولا یفنی مَدَدُہ

بنی آدم کی رہنمائی اور ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے مختلف زمانوں میں انبیاء و رسل پر کتابیں اور صحیفے نازل فرمائے۔ سابقہ کتابیں خاص زمانوں کے لئے تھیں، اس لئے کہ وہ پیغمبر خاص دور اور خاص امتوں کے لئے بھیجے گئے تھے۔ اس کے برعکس یہ آخری کتاب ہمیشہ کے لیے اور تمام انسانوں کی ہدایت کے لئے نازل کی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے آخری پیغمبر (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے لئے یہ الفاظ ارشاد فرمائے:

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا

"اور ہم نے آپ کو سارے لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا، خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا۔"

اس آخری کتاب کی خصوصیات، اس کی دعوت و پیغام، اس کے اسلوب اور معانی و مطالب غرضیکہ ہر اعتبار سے اس پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مستقل کتاب "الاتقان فی علوم القرآن" لکھ کر ہمیشہ کے لیے امت محمدیہ کو زیر بار احسان کر دیا۔ قرآن اپنی خصوصیات کے لحاظ سے ایک منفرد اور اس درجہ کی

مقدس کتاب ہے کہ اس نے اپنا تعارف خود اپنی زبان میں کروایا ہے جس کے مطابق اس کتاب کے مضامین بالکل قطعی اور یقینی ہیں۔ اس میں کسی بھی طرف سے باطل کا دخل ممکن نہیں۔ یہ کوئی معمولی درجہ کی کتاب نہیں، جو عام صحیفوں میں درج ہو، بلکہ نہایت معتبر اور پاک صحیفوں میں درج ہے جنہیں نہایت معزز، پاک اور مکرم فرشتوں کے ہاتھوں لکھا گیا ہے۔ اس کا سرچشمہ علم الٰہی ہے۔ اور اس کے نزول کا ذریعہ وحیِ الٰہی ہے۔ اور یہ طاقتور فرشتوں کی معیت میں نازل ہوئی ہے۔ اس کے نازل کرنے میں اس قدر اہتمام کیا گیا جو کسی دوسری کتاب کے لیے نہیں کیا گیا۔ قرآن علیم وحکیم ذات کی طرف سے فرشتوں کی معیت میں نہایت حفاظت کے ساتھ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ ایک محکم اور مفصّل کتاب بھی ہے۔

قرآن نے اپنے دعویٰ کے دوران جہاں اپنے تقدس اور احترام پر زور دیا ہے، وہاں اس کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ وہ سلامتی کی راہوں کی طرف ہدایت کرتا ہے اور لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاتا ہے۔ قرآن نے اپنی گوناگوں صفات کی بدولت عرب کے اُس معاشرہ میں جو انقلاب برپا کیا، اُس کی حقیقت اور قدر و منزلت کا اندازہ اُسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ ہم نزولِ قرآن کے وقت عربوں اور ان کی پڑوسی اقوام کی تہذیب و تمدّن کا تاریخ کی مدد سے کھوج لگائیں۔

حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی بعثت کا زمانہ چھٹی صدی عیسوی سے تعلق رکھتا ہے۔ تمام مؤرخین، بالخصوص 'تاریخ تہذیب' کے مصنف نے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ چھٹی صدی عیسوی کا دور تاریخ انسانی کا تاریک ترین دور تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اخلاقی دعوت آپ کی حیاتِ مبارکہ میں صرف گنتی کے چند حواریوں نے قبول کی، جبکہ یہود نے اس دعوت کو جھٹلایا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایک بڑی آزمائش سے گزرنا پڑا۔ اور بالآخر حق و باطل کی یہ کشمکش حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع سماوی کے واقعہ پر ختم ہوئی۔ دینِ عیسوی کو اگرچہ بعد کے دَور میں پذیرائی ملی، لیکن بعثتِ محمدی صلّی اللہ علیہ وسلم کے وقت عیسائیت دراصل رہبانیت کا روپ اختیار کر چکی تھی۔ وہ اس قابل نہ تھی کہ گرتی ہوئی انسانیت کو سہارا دے سکے۔ مختلف اقوام اور اُس وقت کے مذاہب کے پیروؤں کے واقعات جو تاریخ نے محفوظ کئے ہیں اُن کے مطابق دنیائے انسانیت پستی کے آخری نقطہ پر پہنچ گئی تھی۔ دین واخلاق اور سیاست و معاشرت کے نام پر کوئی

ایسا سہارا موجود نہ تھا جو گرتی ہوئی انسانیت کا ہاتھ پکڑ سکے اور اسے ہلاکت کے غار میں گرنے سے روک سکے۔ قرآن نے کس قدر بلیغ انداز میں اُس دَور کی سسکتی ہوئی انسانیت کی تصویر چند جملوں میں بیان فرمائی ہے :-

" وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا "

" اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تھے۔ پس تم کو اُس نے اِس سے نجات دی "

ساری انسانیت اپنی اغراض اور خواہشات کی تکمیل کی خاطر اَن گنت خداؤں کی پرستش میں لگی ہوئی تھی، جس کی تفصیل مختلف مذاہب کی تاریخ سے ملتی ہے۔ اُس معاشرے کے لیے اور اُن حالات میں تمام معبودانِ باطل کی نفی کر کے صرف ایک معبود کا اقرار کرنا ایک ناقابلِ فہم بات تھی۔ اور یہی بنیادی بات اُس معاشرہ اور پیغمبر کے درمیان ٹکراؤ اور کش مکش کا سبب بنی۔ اخلاق و شرافت سے عاری معاشرہ میں انسان انسانیت کے جوہر سے محروم ہو کر درندگی اور حیوانگی جیسی صفات سے متصف ہو گیا تھا۔ وہ اپنے انجام سے بے خبر بُرے بھلے کی تمیز سے محروم تھا۔ اُس دور کی ترجمانی کے لیے اگر میں اُسے موسم سرما کی اس گھٹا ٹوپ رات سے تشبیہ دوں تو مناسب ہو گا جس میں روشنی کا کوئی ٹمٹماتا چراغ بھی نہ ہو۔ شدید اندھیرے میں ہاتھ کو ہاتھ سُجھائی نہ دیتا ہو۔ اس کے ہمراہ طوفانِ باد و باراں کے جھکڑ چل رہے ہوں۔ ایک راہ گیر مسافر کو قدم قدم پر ٹھوکریں لگتی ہوں۔ چشمِ تصوّر میں اُس رات کو دورِ جاہلیت پر منطبق کیجئے تو اُس دور کی بدحالی کا اندازہ آپ بخوبی لگا سکتے ہیں۔

عرب کے اُس قبائلی نظام میں جہاں سرداروں کی باہم آویزش ہر لمحہ اور ہر آن موجود رہتی تھی اور ہر قبیلہ اپنے ہاں مخصوص رسم و رواج کا پابند تھا، ہدایت اور فلاح کی کسی آواز کے بارے میں یہ توقع کرنا کہ وہ کامیابی سے ہم کنار ہو گی بظاہر ناممکن تھا۔ سابقہ پیغمبروں نے اپنے اپنے دور میں جو کام کئے تھے وہ امتدادِ زمانہ سے اپنا اثر کھو بیٹھے تھے یا صرف ٹمٹما رہے تھے، جن سے چند خدا شناس دل روشن تھے۔ لیکن بایں ہمہ وہ خدا شناس افراد کفر و معصیت کے اس طوفان کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار نہ تھے، بلکہ انہوں نے زندگی کے اُس میدانِ کارزار سے کنارہ کشی کر کے کلیسا اور صحراؤں کی

تنہائیوں میں پناہ تلاش کر لی تھی۔ دین و مادیت کے معرکہ میں وہ اپنے آپ کو ناکام سمجھ کر انسانی قیادت کی ذمہ داری سے سبکدوش ہو گئے تھے۔ اور جو باقی دین اور روحانیات کا اپنے آپ کو اہل سمجھ رہے تھے انہوں نے اہلِ دنیا سے ساز باز کر لی تھی اور ان کے ظالمانہ نظامِ سلطنت کو استحکام بخشنے کے لیے ان کے دستِ راست بن کر حرام مال کھانے میں ان کے شریک ہو گئے تھے اور ان کی ناجائز خواہشات کے مطابق خدائی احکام بدلنے میں بڑے جری اور بے باک ہو گئے تھے۔ عرب کے بالکل پڑوس میں روم اور ایران کی دو عظیم سلطنتیں موجود تھیں جو مغرب و مشرق کی زعامت کی دعویدار تھیں۔ ہم جب تاریخ کے حوالے سے ان دو سلطنتوں کی اجتماعی اور اخلاقی زندگی کے بارے میں معلوم کرتے ہیں تو ایک ایسا تاریک اور گھناؤنا نقشہ ہمارے سامنے آتا ہے جسے شرافت، دیانت اور دیگر اخلاقی صفات سے دُور کا واسطہ نہ تھا۔

چھٹی صدی عیسوی کا یہ دور صرف اس لئے قابلِ ملامت نہیں کہ اس دور میں کفر و معصیت، ظلم و سرکشی اور اس کے ساتھ ساتھ جابر و ظالم سرداروں اور بادشاہوں کا غلبہ تھا۔ اگرچہ یہ سب باتیں قابلِ ملامت ہیں، تاہم جاہلیت کے اس دور کا سب سے بڑا المیہ جس کی خاطر بعثتِ محمدی ہوئی یہ تھا کہ علمِ صحیح اور نیک ارادے کی حامل کوئی ایسی طاقت موجود نہ رہی تھی جو حق کی خاطر سینہ سپر ہونے والی اور باطل سے پنجہ آزمائی کرنے والی ہو گویا اُس وقت ظلم و جور، کفر و معصیت اور باطل کی تاریکی دُور کرنے والی ایک ایسی انقلابی قوت کی ضرورت تھی جو حالات کا رخ اور تاریخ کا دھارا بدل دے۔

عصرِ جاہلیت کا خاصہ یہی ہے کہ اُس عہد میں صحیح علم کا فقدان تھا، جس کے ذریعے انسان اپنے رب کو پہچانے اور اُس کی معرفت سے حق اور ناحق میں تمیز کر سکے۔ بالفرض کسی حد تک ایسا علم کسی فرد کے اندر پایا بھی جائے تو ماحول کی عدم موافقت کی وجہ سے وہ جہالت و خرافات سے یکسر پاک نہیں ہوتا۔ اس لیے ایسے وقت میں اُس علم کی ضرورت ہوتی ہے جو وحیٔ الٰہی کے تابع ہو۔ جو خالص ہو اور ہر قسم کی آمیزش سے پاک ہو۔ اگر کسی فرد میں گزشتہ انبیاءِ کرام کے علم کی باقیات کا کچھ حصہ موجود بھی ہو تو اُس کو آگے پھیلانے کے لیے عزیمت اور قوت کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس کے ذریعے وہ معاشرے سے ٹکر لے سکے۔ چنانچہ چھٹی صدی عیسوی کے اُس عہد میں جہاں صحیح علم کی کمی تھی، وہاں

وہ جذبہ بھی مفقود تھا جو حق کی حمایت اور اس کی اشاعت کے لیے ضروری ہے۔ قومیں اور عزیمتیں ایسے علم کی طلب میں تھک چکی تھیں۔ طلب معاش، ہوس رانی، نفس کے مطالبات کی تکمیل، قبائلی سرداروں اور حکمرانوں کی اندھی تقلید اور اُن کے لئے جان سپاری میں قومیں صرف ہو رہی تھیں۔ ایسے ماحول اور حالات میں اگرچہ حق کے دلدادہ اور علم صحیح کے طلب گار اکّا دکّا شکل میں موجود بھی تھے، لیکن وہ تن تنہا اس بارِ امانت کو اٹھانے کے اہل نہ تھے۔ چنانچہ اُن کی کوششیں انفرادی اصلاح میں ضائع ہو گئیں۔ اور یہ افراد کلیساؤں، مندروں، غاروں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر گوشہ گیر ہو گئے تھے۔ اُن کی مثال جگنو سے دی جا سکتی ہے جو سرما کی راتوں میں بارش اور تاریکی میں اِدھر اُدھر چمکتے اور اڑتے ہیں، لیکن اُن کی روشنی میں نہ تو کوئی بھولا بسرا مسافر منزل کا راستہ پا سکتا ہے اور نہ ہی سردی کے مارے ٹھٹھرا ہوا آدمی اُن سے گرمی پا سکتا ہے۔

معزز حضرات! میرے اس مختصر بیان سے آپ نے چھٹی صدی عیسوی کے اُس دَور کا ایک اجمالی تعارف معلوم کر لیا ہے۔ ایسے دَور میں ایک علمِ صحیح اور اس کے ہمراہ ایک انقلابی قوت کی ضرورت تھی جو انسانوں کو خالقِ کائنات اور اُس کی ذات و صفات سے متعارف کرائے، خالق و مخلوق کے درمیان ایک مضبوط اور مستحکم رشتہ قائم کر دے، دلوں میں ایمان کی دولت پیدا کر دے، انسانوں کو سرداروں اور بادشاہوں کی غلامی سے نکال کر خدائے واحد کی غلامی میں جکڑ دے، تمام فرسودہ رسوم و رواج اور اوہام باطلہ کی نفی کر کے ایمان و یقین کی دولت بخشے، اس فرسودہ نظام کی جگہ ایک ایسا نظام برپا کرے جس میں خدا خوفی اور آخرت کی بازپرسی کا احساس ہو۔ اور اس نظام کے قبول کرنے والے ہر فرد کے قلب و دماغ میں شرک کی جگہ توحید کا عقیدہ جاگزیں ہو جائے۔

ان حالات و واقعات اور ماحول و معاشرہ میں مکّہ کی وادیٔ غیر ذی زرع میں غارِ حرا کے اندر معتکف عرب کی 'الصادق' اور 'الامین' کے لقب سے متعارف مشہور ہستی محمد بن عبداللہ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) پر مشہور فرشتے جبریلِ امین کی زبان سے وحیٔ الٰہی کا آغاز اِن آیات سے ہوا۔

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝

اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ ۝

ترجمہ: "پڑھئے ساتھ نام اپنے رب کے جس نے پیدا کیا پیدا کیا انسان کو جمے ہوئے خون سے۔ پڑھیے اور آپ کا رب بڑا بزرگ ہے۔ جس نے سکھایا قلم کے ذریعے سے۔ انسان کو سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔"

اس پیغام میں اُس علم کا ذکر ہے جو خالق و مخلوق کے درمیان معرفت کا سبب بنتا ہے۔ جس سے انسان اور اس کے رب کے درمیان عبد و معبود کا رشتہ اُستوار ہوتا ہے۔ یہی وہ علم ہے جو سسکتی ہوئی انسانیت کو زندگی بخشتا ہے۔ اس علم سے صدیوں پرانی گرہیں کھلتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس ابتدائی وحی کے کلمات سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے مستقبل کے اُس بوجھ اور حق و باطل کے درمیان متوقع کش مکش کا اندازہ کر لیا۔ جبکہ آپ کانپ رہے تھے اور آپ نے اپنی اہلیہ محترمہ اُمّ المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے " زملونی زملونی " کے کلمات سے اُن اندیشوں اور فکروں کے ازالہ کی فرمائش کی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا حالات کی نزاکت کو فوراً سمجھ گئیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان الفاظ سے تسلی دی:۔

كَلَّا وَاللّٰهِ مَا يُخْزِيكَ اللّٰهُ اَبَدًا اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وَتَقْرِى الضَّيْفَ وَتُعِيْنُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ۔

ترجمہ: " ہرگز ایسا نہیں ہوگا۔ خدا کی قسم اللہ کبھی آپ کو شرمندہ نہیں کرے گا۔ آپ تو صلہ رحمی فرماتے ہیں۔ آپ اپنی کمائی میں مفلسوں اور ناداروں کو شریک کرتے ہیں۔ آپ مہمان نوازی فرماتے ہیں اور راہِ حق میں مصیبت زدہ لوگوں کی امداد کرتے ہیں۔

سیرت نگار اس واقعہ کے ضمن میں تحریر کرتے ہیں کہ ان آیات کے نزول کے بعد کچھ عرصہ کے لیے وحی کا سلسلہ بند ہو گیا۔ اور اس عرصہ کو " فترۃ الوحی " کا عرصہ شمار کرتے ہیں۔ اور جب دوبارہ وحی کا سلسلہ شروع ہوتا ہے تو اس موقع پر یہ آیات نازل ہوتی ہیں:

يَآ اَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝

اے کپڑا لپیٹ کر لیٹنے والے اب کھڑے ہو جاؤ اور خبردار کرو! اور اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کرو!

یہاں سے قرآن کی اس دعوت کی بنیاد پڑتی ہے جو سراسر انقلابی نوعیت کی ہے۔ ان آیات سے قرآن کے انقلابی پروگرام کی ابتدا ہوتی ہے۔ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو، جو پہلی وحی کے بعد کپڑے میں لپٹ گئے تھے، اب حکم ہوتا ہے کہ آپ کا کام باطل کے مقابل کھڑا ہونا ہے۔ ابتدا میں مکہ شہر کے اندر اس انقلابی مشن کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔ جو آپؐ کے جدِّ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بسایا ہوا ہونے کے باوجود شرک کا گڑھ بنا دیا گیا تھا۔ زمین پر خدا کا پہلا گھر جس کی تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں اس غرض سے ہوئی تھی کہ " اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْئًا " کہ خبردار میرے ساتھ تم کسی کو شریک نہ ٹھہرانا، وہاں اب تین سو ساٹھ بت نصب تھے جن کے لیے چڑھاوے چڑھائے جاتے تھے۔ پھر اس شہر کو اس لئے بھی عرب میں شہرت حاصل تھی کہ اس شہر کی عظمت کے باعث قریش کے تجارتی قافلے سال کے دو موسموں گرما و سرما میں یمن سے شام اور شام سے یمن تک بلاخوف و خطر سفر کرتے تھے۔ دوسرے قبائل کے تجارتی قافلوں کا یہاں سے گزر جانا صرف اُس صورت میں ممکن تھا کہ ان کے ہمراہ حفاظت کے لیے مسلح نفری موجود ہو۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغمبر کو یہ حکم کہ " اٹھ کھڑے ہو جائیے! " کوئی معمولی بات نہ تھی۔ پھر مشیتِ الٰہی نے اس عظیم انقلابی پروگرام کے آغاز کے لیے جس محترم اور مقدس ہستی کا انتخاب کیا تھا اسے اس نے ان اندیشوں سے یکسر بچا لیا جو حق و باطل کی اس کشمکش میں حق کے داعی اور انقلابی پروگرام کے علمبردار کو پیش آ سکتے تھے۔ اُس وقت کے صدیوں پرانے نظام اور اُس نظام کے تابع قبائلی سیاست، معاشرت ——— اور معیشت اور اس سے بھی بڑھ کر اُن لوگوں کے عقائد و اخلاق کے صدیوں پرانے مزاج کے خلاف ایک ایسی قرآنی دعوت پیغمبر کی زبانی ان تک پہنچی جس سے اُس معاشرے کے سیانے، بااثر گھاگ قسم کے لوگ اپنے لیے خطرات محسوس کرنے لگے۔ اب انہوں نے سوچنا شروع کر دیا کہ اس پیغمبر کا مقابلہ کس طرح کیا جا سکتا ہے۔ اور اس کی دعوت کس طرح دبائی جا سکتی ہے چنانچہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے قیامِ مکہ کے تیرہ سال جس قسم کی آزمائشوں سے گزرے وہ تاریخ کا ایک حصہ ہیں۔ اس ٹکراؤ اور مخالفت کی نوبت یہاں تک پہنچی کہ عرب کے اُن سیانوں

اور با اثر شخصیات نے فیصلہ کیا کہ پیغمبرؐ کا کام تمام کر دیا جائے۔ اس کام کی خاطر ایک منصوبہ تیار ہوا۔ لیکن وہ لوگ اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ کا مقدس رسولؐ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ہجرت کر کے مدینہ پہنچا۔

قیام مدینہ کا دس سالہ دور بھی اللہ پاک کے مقدس رسول اور اُن کے ساتھیوں کے لئے آزمائشوں سے بھرا ہوا ہے۔ یہاں پہنچ کر آپؐ نے سب سے اول قبائل سے سے معاہدہ کیا۔ قریش مکہ اب بھی اُن خطرات سے اپنے آپ کو محفوظ نہیں سمجھتے تھے جو وہ قرآن کی اس انقلابی دعوت کے کامیابی سے آگے بڑھنے میں محسوس کر رہے تھے۔ اس لئے یہاں بھی وہ پیچھا کرتے ہیں۔ اور رسول اللہؐ اور آپؐ کے ساتھیوں سے مسلح تصادم کی نوبت آتی ہے۔ ان مسلح تصادموں کی تعداد جن میں آپ بنفس نفیس شامل ہوئے ستائیس یا اٹھائیس ہے۔ اللہ تعالیٰ کے برحق پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو قدم قدم پر اپنے رب کی طرف سے تائید حاصل اور " وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ " (اور اللہ آپ کو لوگوں سے بچائے گا) کا وعدہ پورا ہوتا ہے۔ بالآخر ہجرت کے آٹھویں سال وہ وقت بھی آتا ہے جب اللہ تعالیٰ کا برحق رسولؐ قرآن کے اس انقلابی جھنڈے کے ہمراہ کامیاب و کامران ہو کر مکہ کے شہر میں داخل ہوتا ہے۔ وہ تمام مخالفین جو ابتدائی دور میں قرآن کے اس انقلابی پروگرام کی راہ میں رکاوٹ بن کر کھڑے ہو گئے تھے، نہایت ندامت اور شرمندگی کے ساتھ انقلاب کے داعی مقدس رسولؐ کے سامنے آکر اپنی کوتاہیوں اور آپؐ کے ساتھ روا رکھی گئی زیادتیوں اور ناانصافیوں کا برملا اعتراف کرتے ہوئے قرآن کی اس انقلابی دعوت کو تسلیم کر کے اس کے مؤید اور حمایتی بن جانے کا اعلان کرتے ہیں۔

اس واقعہ کے دو سال بعد دوسرا اور آخری مرحلہ اُس وقت پیش آتا ہے جب اللہ تعالیٰ کا مقدس رسولؐ حج کی غرض سے مکہ تشریف لے جاتا ہے۔ اور کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار قرآن کے اس انقلابی پروگرام کے شیدائیوں کی موجودگی میں ایک بلیغ خطبہ ارشاد فرماتا ہے۔ یہ خطبہ اپنی اہمیت کے لحاظ سے تاریخ میں ' خطبۂ حجۃ الوداع ' کے نام سے مشہور ہے۔ اور موجودہ سیاست کے ماہرین اور فلسفۂ عمرانیات کے پیشواؤں نے اس خطبہ کو ' منشورِ انسانی ' کا نام دیا ہے۔ اس خطبہ میں نہایت اہم موضوعات کے علاوہ اس داعیٔ کبیر کو تحدیثِ نعمت کے طور پر اعلان کرنا پڑا : " آج جاہلیت کی تمام باتیں

میرے قدموں کے نیچے باطل ہیں ..... " یہ کس قدر برملا اعلان ہے اور رسولؐ اللہ کی تیئیس سالہ انقلابی کاوشوں کا نچوڑ ہے ۔ آج کے روز گویا رسولِ مقبول کے ہاتھوں قرآن کا وہ انقلابی پروگرام تکمیل پذیر ہو چکا تھا جس کی خاطر تیئیس سال قبل آپ کی بعثت ہوئی تھی ۔ مقام غور ہے کہ رسولِ مقبول کو کتنی بڑی کامیابی تیئیس سال کے عرصہ میں ہاتھ لگی ۔ ایک وہ وقت ہے کہ جب قرآن کی ابتدائی آیات کے ذریعہ انقلابی مشن رسولِ برحق کے سپرد ہوتا ہے تو آپؐ طرح طرح کے اندیشوں کو خاطر میں لاتے ہوئے " زمّلونی زمّلونی " کے الفاظ کے ساتھ اپنی زوجۂ مطہرہ سے ڈھارس طلب کرتے ہیں ۔ نتیجۃً وہ آپؐ کی صفاتِ حمیدہ کا آپؐ سے ذکر کر کے آپ کو ڈھارس دیتی ہیں ۔ اس کے بعد دوسری وحی میں آپؐ کو اس باطل نظام کے مقابل ابتدائی طور پر تن تنہا کھڑا ہونے کے لئے حکم دیا جاتا ہے ۔ نتیجۃً قرآن کا لایا ہوا انقلابی پروگرام کٹھن منازل سے گزرتا ہوا تیئیس سال کے عرصہ میں مکمل ہوتا ہے ۔ اور اس آخری حج کے دوران وحی نازل ہوتی ہے :-

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ۔

" آج کے روز میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا ۔ اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے دین اسلام پسند کر لیا ۔ "

یہ گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق کی حمایت میں آپؐ کی کوششوں کی تعریف اور اس مشن کی تکمیل کا پیغام تھا جس کے لیے آپؐ کو بھیجا گیا ۔ جب اس پروگرام کی تکمیل ہو گئی اور یہ مشن مکمل ہو گیا تو اللہ تعالیٰ کے برحق رسول تسبیح و تحمید اور استغفار کے ساتھ مدینہ منوّرہ واپس تشریف لے گئے ۔ اس واقعہ کو نصرتِ الٰہیہ اور فتح سے تعبیر کیا گیا ہے ۔

قرآن مجید کا مطالعہ سیرتِ طیبہ کے ساتھ ساتھ کرنے والے اس بات کا اعتراف کریں گے کہ قرآن کے تیئیس سالہ نزول کے دوران اس کے انقلابی پروگرام کے نقیب اور داعی کے ہاتھوں جو کوشش عمل میں آئی یہ دراصل اُس انقلاب کا حصہ تھی جس نے مذہبی ، اخلاقی ، ذہنی ، فکری ، تہذیبی ، سیاسی اور تمدنی و معاشی غرضیکہ ہر پہلو سے اُس سابقہ نظام کے جمود کو توڑا ۔ اس کے اثرات بالآخر مکّہ شہر اور اس سے باہر پھیلے ۔ اور جہاں بھی پہنچے اس کے اثرات مرتّب ہوئے ۔ حق و باطل کی کشمکش برپا ہوئی ۔ ابتدا میں ایک مختصر سی

جماعت اس انقلابی تاثیر کے زیرِ اثر دائیٔ کبیر کی حمایت میں اُٹھی ۔ یہ قرآن کی انقلابی دعوت کا اثر تھا کہ فرمانروائی اور حکمرانی کا تصوّر بدل کر اب قوم و ملک پر آمریت مسلّط کرنے کے بجائے سیادت اور امامت خدمت کہلائی ۔ انصاف کی کرسی پر بیٹھنے والوں کو اپنے اور بیگانے کی تمیز برتنے بغیر " اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی " کا حکم دیا گیا ۔ جنگ کے نتیجہ میں مفتوح قوم سے حسنِ سلوک کی ہدایت دی گئی ۔ اس نئے انقلابی پروگرام کے تحت اس نئی سوسائٹی میں عام انسانوں کو اخلاق و کردار کے اعتبار سے اس قدر بلند مقام نصیب ہوا کہ دوسرے معاشروں کے چیدہ لوگ اُنہیں اپنا سردار کہنے لگے ۔ صدیوں سے اوہام و خرافات کے چکر میں پڑے ہوئے لوگ عقیدۂ توحید کے طفیل اس قدر پُرعزم اور یقین کی دولت سے مالا مال ہو گئے کہ اب ہر قسم کے خطرات کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کرنے کے اہل ہو گئے ۔ اُن کے لیے موت کا خوف کوئی خوف نہ رہا ، بلکہ موت کو مالک کا پیغام سمجھ کر اُس پر لبیک کہنے کے لیے ہر وقت تیار رہنے لگے ، تاکہ اس عارضی زندگی سے گزر کر ہمیشہ کی زندگی سے ہمکنار ہوں ۔ اجتماعی زندگی میں رنگ و نسل اور زمان و مکان کی بنیاد پر انسانوں کی تفریق ، ایک ہی معاشرہ میں طبقات کی تقسیم ، اور ان کے درمیان اُونچ نیچ کا امتیاز ، معاشرت میں مساوات کا فقدان ، عورتوں کی پستی اور حقوق سے محرومی ، جان و مال اور عزّت و آبرو کی بے حرمتی ، شراب اور نشہ آور چیزوں کا عام رواج ، حکمرانوں کا تنقید سے بالاتر رہنا ، رعایا کی بنیادی حقوق سے محرومی ، بین الاقوامی تعلقات میں معاہدوں کی بے احترامی ، جنگ میں وحشیانہ حرکات اور اس قسم کی سینکڑوں خرابیوں نے اُس معاشرے کو دیمک کی طرح چاٹ لیا تھا ۔ لیکن جب قرآن کی انقلابی دعوت کامیابی سے ہم کنار ہوئی تو اس کے نتیجہ میں طوائف الملوکی کی جگہ نظم و ضبط ، خون ریزی اور فساد کی جگہ امن و امان ، فسق و فجور کی جگہ تقویٰ و طہارت ، ظلم و عدوان کی جگہ عدل و احسان ، گندگی اور ناشائستگی کی جگہ طہارت و پاکیزگی اور تہذیب ، جہالت کی جگہ علم اور نسل در نسل موجود عداوت کی جگہ محبت پیدا ہو گئی اور مجبور و مقہور لوگ جو غلامی کی زندگی بسر کر رہے تھے ، دفعتہً امامت کے درجہ کو پہنچ گئے ۔ حقیقتہً یہ قرآن کا انقلابی پیغام اور دعوت تھی جو سرعت کے ساتھ پھیلی اور تیئیس برس کی مدّت میں دنیا کے مرکز میں واقع جزیرہ نمائے عرب میں ایک ریاست قائم کرنے میں کامیاب ہو گئی جس کا مطالعہ کر کے آج ہمارے مخالف حیرت کے مارے انگشت بدنداں ہیں ۔

معزز حاضرین! مجھے تعجب اس بات پر ہے کہ ہمارے مخالفین صحیفۂ ربّانی یعنی قرآن مجید کے انقلابی پروگرام کو پیغمبر صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سیرتِ طیبہ کی روشنی میں سمجھ گئے اور آج بھی ہر لمحہ اس سے خائف اور لرزاں و ترساں ہیں۔ اسی لیے اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے جہاں سے کوئی کوشش انفرادی یا اجتماعی شکل میں شروع ہوتی ہے اُسے سبوتاژ کرنے میں ہر وقت مستعد اور تیار رہتے ہیں۔ لیکن آج کا مسلمان اپنی اس ذمّہ داری سے اس قدر غافل بلکہ بعض پہلوؤں کے لحاظ سے ہمارے مخالفین کے حق میں نظر آتا ہے۔ اس صورت حال میں ہمارا مسلم معاشرہ اُس بلندی سے اس قدر پستی میں چلا گیا ہے جس کا قرآنی دعوت و پیغام کی روشنی میں تصوّر نہیں کیا جاسکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ آج ہم جاہلیت کے دور میں داخل ہو گئے ہیں۔ اُونچ نیچ کا فرق، حکمرانوں کے اندازِ حکمرانی، جان و مال اور عزّت کی بے حرمتی، ظلم و عدوان، فسق و فجور، شراب اور منشیات کی بہتات، مخلوط معاشرہ اور اس پر مستزاد یہ کہ آج کا مسلم معاشرہ دن بدن علاقائی، لسانی، اور نسلی بنیادوں پر چھوٹے چھوٹے طبقوں میں تقسیم ہوتا جارہا ہے۔ سیاست میں صلح اور رواداری کا فقدان، معاشرت میں حقوقِ انسانی کی نفی اور بڑے چھوٹے کے درمیان عزت و شفقت سے لاپروائی، معیشت میں لوٹ کھسوٹ، اخلاقیات میں سچائی، امانت، دیانت، ایثار، وعدہ کا پاس و لحاظ وغیرہ ختم ہو گیا ہے۔ عقیدہ میں اللہ کی ذات پر اعتماد اور یقین ختم ہو کر رہ گیا ہے اور خواہشِ نفس کے اتباع میں بہت سے معبودوں نے انسانی ذہنوں میں جگہ پیدا کر لی ہے۔ آخرت پر یقین ختم ہو کر آج کا معاشرہ دنیا کی حرص میں اس قدر محو ہو گیا ہے کہ گویا اس کی اصل زندگی موجودہ دنیا ہی ہے اور اِسے آخرت سے کوئی سروکار نہیں۔ ایسے عالم میں زندگی کا سارا رخ ہی بدل کر رہ گیا ہے

ان حالات و واقعات اور معاشرہ و ماحول میں جہاں زندگی کی ساری چولیں ڈھیلی پڑ گئی ہیں، انسانی زندگی کے لیے قرآن کی انقلابی دعوت اب بھی اپنے اندر حیات بخش پیغام رکھتی ہے۔ تاریخ دعوت و عزیمت کے تسلسل میں آج بھی قرآن کا ابدی و آفاقی پیغام موجودہ معاشرہ کو انقلابی بنیادوں پر بدلنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے۔ اور اس دعوت کو عملی جامہ پہنانے کے لیے آج کے اس مادی دور میں جہاں علم و عمل کی بساط اُلٹ دی گئی ہے، کسی نئے شیخ احمد سرھندی اور شاہ ولی اللہ کی ضرورت ہے، جو اپنے خلوص، عزم اور ایمان و یقین کے ہمراہ قرآن و سنّت کے علم اور ساتھ ہی عمل سے آراستہ ہو کر میدان میں

اُترے ۔حق و باطل کی کشمکش اب بھی اُس کی راہ تک رہی ہے ۔حالات کا رُخ اور تاریخ کا دھارا بدلنا اس قدر آسان کام نہیں کہ محض دعووں اور جماعتوں کے قیام سے حل ہو جائے۔ بلکہ اس کے لیے غیر معمولی یقین، روحانیت، بے غرضی و ایثار اور اس کے ہمراہ اُس مردِ کامل کی اعلیٰ دماغی اور قلبی صلاحیتوں کی ضرورت ہے جو معاشرہ کے اس تنِ مردہ میں جان پیدا کر دے ۔

اہلِ ملتان کی خوش قسمتی ہے کہ یہاں کی خاک میں حضرت بہاؤالدین ذکریا ملتانی، ان کے بیٹے شیخ صدرالدین عارف، پوتے ابوالفتح رکن الدین اور حضرت محمد یوسف شاہ گردیزی کی روحانی شخصیات محوِ آرام ہیں، جنہوں نے اپنے اپنے دور میں دعوت و عزیمت کے فرائض سے عہدہ برآ ہو کر پورے شمالی ہند کو اسلام کے انوار سے روشن کیا ۔اور آج شمالی ہند بشمول کشمیر کے بسنے والے مسلمان ان ہی پاکباز ہستیوں کی کوشش کے مرہونِ منت ہیں ۔بالکل اسی طرح آج بھی اسی دعوت و عزیمت کے تاریخی تسلسل کو قائم رکھتے ہوئے ایسی ہی شخصیت کی ضرورت ہے جو آج کے مسلمانوں کی تقدیر بدل دے ۔

بے سوز تو در معرکہ ذوقے نتواں یافت
اے بندۂ مومن! تو کجائی ! تو کجائی ؟

قربانی ہماری معاشرتی رسم ہے یا دینی فریضہ!
عید الاضحیٰ کے مبارک موقع پر قربانی کے ساتھ
قربانی کی رُوح اور مقاصد کو سمجھنے کے لیے
امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کی تالیف

عیدالاضحیٰ اور فلسفۂ قربانی

کا مطالعہ ضرور کیجئے

• سفید کاغذ • رنگین سرورق • ۴۸ صفحات • قیمت -/۶ روپے

قریبی بکسٹال سے خریدیئے یا ہم سے منگوائیے !

مرکزی انجمن خدام القرآن، ۳۶- K ماڈل ٹاؤن لاہور ۱۴

شہر لاہور میں تنظیم اسلامی کا جلسہ اور اسلامی نظام معیشت کے حق میں ایک بھرپور مظاہرہ

(ایک منفرد انداز کی رپورٹ)

جنگل میں مور ناچا' کس نے دیکھا لیکن لاہور کی مال روڈ اور ملتان روڈ جیسی معروف شاہراہوں پر پچھلے ہفتے ہزاروں لوگوں نے خوشگوار حیرت کے ساتھ ایک جلوس اور جلسے کو دیکھا' سنا اور محسوس کیا کہ کچھ سرپھروں نے چھلاوے کی طرح چھلانگیں مارتی روایت کے آگے بند باندھنے کی کوشش کی ہے - کیا وہ نئے "عوامی" مزاج کو بدلنے میں کامیاب ہو جائیں گے؟ - اس مشکل سوال کا جواب آسان نہیں تاہم پرانی روایت کے احیاء کی کوششوں کا آغاز تو ہوا اور ہر بڑے کام کا آغاز چھوٹا ہی ہوا کرتا ہے -

جلسے سیاسی زندگی کی جان ہوتے ہیں اور بھلے دنوں میں ان کا مقصد رائے عامہ کی تیاری اور عوامی شعور کی بیداری سمجھا جاتا تھا جبکہ جلوسوں کی ایک اضافی غرض یہ بھی ہوتی ہے کہ جذبات کو اظہار کا راستہ ملے جنہیں اگر دبایا جائے تو ایک دھماکے کے ساتھ پھٹ جایا کرتے ہیں - ہماری نئی نسل تو اس قسم کے جلسوں جلوسوں سے شناسا نہیں لیکن ابھی کچھ لوگ گرد و پیش باقی ہیں جن کی آنکھوں نے وہ جلسے جلوس دیکھ رکھے ہیں جو خاموشی سے وقت کے دھارے کا رخ پھیر دیا کرتے تھے

نئی سیاسی لغت میں جلسہ ایک ایسے ہجوم کو کہتے ہیں' ایک ہنگامے پہ موقوف ہو جس کی رونق اور مقصد جس کا لیڈروں کی شان و شکوہ کا اظہار ہو یا کسی خاص جماعت کی قوت کا مظاہرہ - ان جلسوں میں لوگ کچھ سننے کو ترستے لیکن رونق میلہ دیکھنے کی حسرت نکالتے ہیں - حاضرین خود نہیں آتے' لائے جاتے ہیں اور جلسہ کرنے کا خرچ ہزاروں لاکھوں سے گزر کر اب کروڑوں میں جا پہنچا ہے - غنیمت ہے کہ حاضری کے دعوے تا حال لاکھوں کے پھیر میں ہیں لیکن کروڑ کی منزل بھی دور تو نہیں - لاہور میں مینار پاکستان کے سبزہ زار کو روندنے والا آخری جلسہ اسی سال ۲۳ مارچ کو ہوا تھا جس میں ایک شعلہ بیان مقرر نے کمال احتیاط سے کام لیتے ہوئے کہا تھا کہ میرے سامنے ساٹھ لاکھ فرزندان توحید کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے لیکن میں حاسدوں کی نیندیں حرام نہیں کرنا چاہتا لہٰذا تیس لاکھ کی تعداد پر بس کرتا ہوں -

جلسہ ان دنوں بڑا کون سا ہوتا ہے - دور و نزدیک سے بسوں میں بھر کر لائے ہوئے حاضرین کی بے ہنگم بھیڑ جن کی اکثریت اجتماع کی نوعیت اور غرض و غایت سے بے خبر اور مختلف قسم کے اثر و رسوخ کی لاٹھیوں سے ہانک کر جمع کئے گئے لوگوں پر مشتمل ہوتی ہے - ہاں' سیر سپاٹے کا شوق بھی کچھ لوگوں کو اس ہانکے میں گھیر لیتا ہے - لاہور میں ہونے والے جلسوں کے لئے کپڑے کے پورے پورے تھانوں پر مشتمل بینر اور رنگ برنگے جہازی سائز کے اشتہارات خیبر سے کیماڑی تک لگائے جاتے ہیں - اخبارات کی لاٹری الگ نکلتی ہے جنہیں آدھے آدھے اور چوتھائی چوتھائی صفحے کے مہنگے اشتہار بونس میں ملتے ہیں -

جلسوں کا ایک تازہ امتیاز یہ ہے کہ حاضرین کو جلوسوں کی شکل میں جلسہ گاہ تک پہنچایا جائے جنہیں سڑکوں بازاروں میں آمد و رفت کو درہم برہم کرتے منزل مقصود پر پہنچنے میں مارے "اژدہام" کے گھنٹوں فالتو لگیں چنانچہ کامیاب جلسہ وہ ہوگا جو وقت مقررہ سے کم از کم چار چھ گھنٹے بعد شروع ہو اور جلسے کی کارروائی! کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی - مقررین کی تعداد درجنوں میں جو محض رونمائی کے لئے باری باری مائیک پر آتے اور اپنے اپنے مخصوص انداز میں دو چار بڑھکیں مار کر تالیوں اور نعروں کا خراج وصول کرتے ہوئے سٹیج پر رونق افروز ہوتے چلے جاتے ہیں - حاصل جلسہ! تالیاں' سُر تال میں نعروں کے کورس' لطیفے' قہقہے' دھمکیاں' ذو معنی پھبتیاں' طنز' استہزا - بد نظمی نہ ہو اور گاہے گاہے کسی نہ کسی گوشے میں ہلچل نہ پائی جائے' بھگدڑ نہ مچے تو جلسہ کامیاب شمار نہیں ہوتا -

اور جلوس' پناہ بخدا - کسی بھی نظم و ترتیب سے عاری ہونا اس کی پہلی شرط ہے - جلوس کے قائدین دلہن کی طرح سجے ٹرکوں میں سوار' گوٹے کناری اور پھولوں کے ہاروں سے لدے پھندے اس بارات کے دولہا ہوتے ہیں جن پر پھولوں کی پتیاں نچھاور کرنے کے انتظامات ہی کم تفصیل طلب نہیں ہوتے - اس پہلی صف کے پیچھے جلوس کا ہر شریک اپنا قائد خود ہوتا ہے اور زبان پہ آئی ہانکنے میں پوری طرح آزاد و خود مختار - ہنگامہ آرائی نہ ہو تو جلوس ہی کیا اور سڑکوں پر ٹائر جلا کر فضا کو مسموم نہ کیا جائے تو مظاہرہ کیسا! - ٹریفک کو جام کرنا لازم اور پیدل چلنے والوں کو لپیٹ میں لے لینا جلوس کو بڑا بنانے کے لئے ضروری ہے -'

اک نئی احتیاط دیکھی ہے - اب جلسوں جلوسوں میں ذرائع ابلاغ کو بھی "خطرناک نتائج" کی دھمکی دی جانے لگی ہے - "ہمارے جلسے جلوس کی خبریں نمایاں نہ کی گئیں تو دھڑن تختہ کر دیا جائے گا" - لاتوں کے بھوت باتوں سے مانتے بھی تو نہیں - ہمارے اخبارات شاید اب یہی زبان سمجھتے ہیں - منظم و مرتب' سنجیدہ و متین اور بامقصد جلسوں جلوسوں کا ذکر بالکل گول کر دیا جاتا

ہے جبکہ پچاس لڑکے بالے بھی یورش کر دیں' ایک ہنگامہ کھڑا کر لیں' چار ٹائر سڑک پر جلا کر ٹریفک روک دیں اور نعروں میں اپنے مخالفین کا شجرہ نسب نشر کر دیں تو ان کی خبر چھپتی ہے' تصویر بھی لگتی ہے بلکہ " جھلکیاں " چوکھٹے میں الگ سے دی جاتی ہیں -

مئی کے دوسرے عشرے کے آغاز میں شہر کے محض جنوبی حصے میں ہم نے کپڑے کے دس بارہ " بے تصویر " بینر بارونق چوراہوں پر لگے دیکھے جن میں سے اکثر کی دھجیاں پندرہ مئی کی شام کو آندھی نے بکھیر کر رکھ دی تھیں - " ۱۷ مئی کو بعد نماز عشاء چوبرجی کوارٹرز کے گراؤنڈ میں امیر تنظیم اسلامی' ڈاکٹر اسرار احمد ایک جلسہ عام سے پاکستان کے مستقبل کے موضوع پر خطاب فرمائیں گے " - اسی علاقے میں نسبتاً زیادہ اور شہر کے دوسرے حصوں میں برائے نام درمیانے سائز کے اشتہار بھی اسی مضمون کے نظر آئے - لاہور کے کثیر الاشاعت اخبارات میں اشتہار بھی. جی نہیں' اشتہار چے ... پڑھے جو بڑے بڑے اشتہارات کی چلمن سے لگے بیٹھے تھے - صاف چھپتے بھی نہیں' سامنے آتے بھی نہیں - اس قد و قامت کے اشتہار تو بنگالی جادوگر اور روحانی " عامل " بھی ہر روز چھپواتے ہیں - یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے؟ - تنظیم اسلامی کے درویشوں کو کیا سوجھی - لاہور میں جلسہ عام کرنے چلے ہیں - مینڈکی کو شاید زکام ہو گیا ہے - کیا ان لوگوں نے " عوامی جلسوں " اور " انقلابی ریلیوں " کی تیاریاں نہیں دیکھی سنی تھیں جو اپنی نارسائی اور مفلسی کا مذاق سر بازار اڑوانے چلے ہیں! - جی میں آیا کہ تماشا ہم بھی دیکھیں گے -

وقت مقررہ سے ذرا پہلے پھر ایک نسبتاً ہلکی آندھی چلنے لگی جس نے موسم کی شدت کو تو ضرور کم کیا لیکن جلسہ کے انتظامات کو بھی درہم برہم کر دیا ہو گا - ہم جلسہ گاہ میں پہنچے تو ہوا کے جھونکے خاک اڑا رہے تھے - واجبی روشنی تھی لیکن طوفان رنگ و نور ندارد - تنظیم اسلامی کے کارکن قریبی مسجد میں عشاء کی نماز ادا کر کے واپسی پر انتظامات کے بکھرے تنکوں کو سمیٹنے میں مصروف تھے - دیکھتے ہی دیکھتے ہر شے میں سلیقہ پیدا ہو گیا - لاؤڈ سپیکروں اور سٹیج کی روشنیوں کو آناً فاناً پھر سے ترتیب دے دی گئی جو سٹیج کے شامیانے پر لگائے گئے تھے - شامیانہ ہوا کا دباؤ برداشت نہ کر پایا تھا لہٰذا اس کی بساط لپیٹنی پڑی - وہ شامیانہ ہی نہ رہی جس پہ آشیانہ تھا - حاضرین دبے پاؤں آئے' دس پندرہ منٹ میں جلسہ بھر گیا اور ٹھیک وقت پر کارروائی کا آغاز بھی ہو گیا - کارروائی تھی ہی کیا' ایک خوش الحان قاری کی حسب موقع و محل قرآن حکیم سے پورے ایک رکوع کی تلاوت' ایک چھوٹے سے بچے کی زبانی بامعنی نعت کے چند مترنم اشعار اور امیر تنظیم اسلامی' ڈاکٹر اسرار احمد کی لگ بھگ پونے دو گھنٹے کی تقریر جسے کلاس روم لیکچر کا نام دیا جائے تو موزوں ہو گا -

سچ پوچھئے تو ہمیں یقین تھا کہ تنظیم اسلامی کا مجوزہ پروگرام جلسہ عام تو کیا "جلسی" بھی ثابت نہ ہو سکے گا - تیاریوں کا عالم ہم دیکھ ہی چکے تھے - اس ڈھب سے بھی اب جلسے کئے جا سکتے ہیں؟ - یہ منہ اور مسور کی دال - لیکن اب آنکھوں پہ یقین آتا تھا نہ کانوں پر اعتبار - جلسہ گاہ میں شان و شوکت کے مظاہر میں سے کوئی بھی تو چیز موجود نہ تھی 'کوئی جھنڈا نہ جھنڈیاں 'لیڈروں کی قد آدم تصاویر نہ بلند و بالا سٹیج کی کوئی زیب و زینت - نعرہ سٹیج سے یا متوالے حاضرین میں سے ایک بھی بلند نہ ہوا' تالیاں ایک بار بھی نہ پٹیں - کسی جلوس کی آمد کا اعلان ہوا نہ یہ خبر نشر کی گئی کہ جلسے میں آنے والوں کو حکومت نے شہر میں داخل ہونے سے "روک" دیا ہے - جلسے کی حاضری سینکڑوں سے یقیناً بڑھ کر چار ہندسوں میں داخل ہو گئی تھی لیکن سٹیج سے اگر حاضرین کو لاکھوں فرزندان توحید کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر کہا جاتا تو زبان کسی کی نہ گھستی 'لوگوں کا "مورال" ضرور بلند ہو جاتا - ہینگ لگتی نہ پھٹکڑی اور رنگ چوکھا ہو جاتا -

جلسے کی واحد تقریر بھی گھن گرج سے خالی' دعووں اور بڑھکوں سے تہی - مثبت باتوں سے بھی جلسہ لوٹا جا سکتا ہے؟ - استدلال کے زور پر بھی کوئی بات سامعین کے دل و دماغ میں اتاری جا سکتی ہے؟ - لطیفوں اور چٹکلوں کے بغیر بھی لوگوں کو اس درجہ متوجہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ ایک ہی طویل تقریر جم کر سنیں؟ - کیا جلسوں میں بھی عامتہ الناس کی تعلیم و تربیت جیسا بے فیض کام کیا جا سکتا ہے اور آخری سوال یہ کہ حکومتوں سے مطالبات کے علاوہ جلسوں میں کیا عوام سے بھی کوئی مطالبہ کرنا مناسب ہے - تنظیم اسلامی لاہور کے جلسہ عام نے ان سب سوالات کا جواب اثبات میں دیا - اس میں بتایا گیا کہ استحکام پاکستان کا راز اسلام کے واقعی نفاذ میں ہے' مل جل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لینے میں ہے اور اس کے بغیر اس مملکت خداداد کا کوئی تشخص ہی نہیں رہتا - حکومت سے صرف ایک مطالبہ کیا گیا کہ وفاقی شرعی عدالت کے ہاتھ مالیاتی قوانین پر جو باندھ دیئے گئے تھے اس کی مدت میں ۲۷ مئی یا ۲۵ جون کے بعد مزید ایک دن کا بھی اضافہ نہ کیا جائے لیکن جلسے کے حاضرین سے مطالبے تین تھے - یہ کہ وہ خود قرآن مجید کی طرف رجوع کریں' اللہ کی اس رسی کو مضبوطی سے تھام کر اپنی عملی زندگیوں میں اسلام نافذ کریں - دوسرا یہ کہ دین کے لئے جدوجہد میں شریک ہونے کے لئے کسی نہ کسی اجتماعیت میں شامل ہو جائیں - تنظیم اسلامی کو بھی دیکھیں' اگر دل ٹھکتا ہو تو اس کا ساتھ دیں ورنہ جس پر اطمینان ہو اس کی رفاقت اختیار کریں اور آخری یہ کہ ارباب حکومت کو خطوط' ناروں اور قراردادوں کے ذریعے اپنی اس خواہش سے آگاہ کریں کہ اسلام کے نظام عدل اجتماعی کے قیام کا جو موقع خونیں انقلاب کے بغیر میسر آ رہا ہے' اسے ہاتھ سے جانے نہ دیا جائے - مالیاتی قوانین کو اسلام کے تابع کئے بغیر سرمایہ دار، اور

جاگیرداری کی لعنت سے چھٹکارا پانا ممکن نہیں اور جب تک یہ نہیں ہوتا' اسلام کے سب دعوے جھوٹے ہیں' فریب کے سوا کچھ اور نہیں -

اس جلسے نے تعمیر پسند اور مثبت کام کی خواہش رکھنے والی جماعتوں پر حجت تمام کر دی کیونکہ یہ ثابت ہو گیا ہے کہ لوگوں نے ابھی اپنے کانوں کی کھڑکیاں بند نہیں کیں - وہ سنجیدہ باتیں سننے اور ان پر غور کرنے کے لئے اب بھی تیار ہیں اور ایسی سنجیدہ باتوں کے لئے شاید سادہ سے چھوٹے چھوٹے علاقائی جلسے ہی موزوں ہیں جہاں تھوڑے فاصلوں سے لوگ خود چل کر آئیں اور کوئی بات گرہ میں باندھ کر لے جائیں - ہمارے ہاں جلسوں کی یہی روایت تھی جسے برباد کر دیا گیا ہے - ایک پرانی روایت کا احیاء کر کے تنظیم اسلامی کی مقامی شاخ نے دینی جماعتوں پر بالخصوص احسان کیا ہے' کوئی مانے یا نہ مانے -

اس سے پہلے ۱۴ مئی کو تنظیم اسلامی لاہور نے مال روڈ پر ایک جلوس کا اہتمام کر کے ایک بار پھر منظم و مرتب بامقصد مظاہروں کے اپنے مخصوص انداز کو دہرایا - عصر سے مغرب کے درمیان مال روڈ کے ہائی کورٹ سے اسمبلی ہال تک کے حصے سے گزرنے والے ہزاروں شہریوں نے ایسا جلوس شاید زندگی میں پہلی بار دیکھا ہو لیکن کسے خبر نہیں کہ ہمارے پریس نے اس کا پوری طرح "بلیک آؤٹ" کیا - مقامی انگریزی اخبار "پاکستان ٹائمز" میں اس کی ایک تصویری جھلک کے ساتھ مختصر تفصیل اور روزنامہ جنگ میں چند سطری سنگل کالم خبر جسے تلاش کرنا بھی لانا تھا جوئے شیر کا - اللہ اللہ خیر صلا -

جلوس کے ساتھ ساتھ چلتے چند کارکن دونوں طرف راہ گیروں میں ایک ہینڈ بل تقسیم کر رہے تھے جس کے مضمون سے ہی اس مظاہرے کی روح کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے - کہا گیا تھا کہ :

اے اہل وطن! ہم پر بیالیس سال سے عذاب الٰہی قسطوں میں نازل ہو رہا ہے - کیوں ؟ اس لئے کہ ہم نے زبان سے "پاکستان کا مطلب کیا' لا الہ الا اللہ" کا ورد کیا لیکن اپنے عمل سے اسے جھٹلایا - ہم حلق کی پوری طاقت سے "اللہ اکبر" کا نعرہ لگاتے ہیں لیکن اللہ کی کبریائی کو قائم نہیں کرتے بلکہ جاگیرداروں' وڈیروں' سرمایہ داروں اور مفاد یافتہ طبقات کو بڑے سے بڑا بناتے چلے جا رہے ہیں - ہم اسلام کی برکات کا چرچا کرتے نہیں تھکتے لیکن قومی زندگی کے کسی پہلو اور خود اپنی زندگیوں پر دین کی کسی برکت کے سائے سے بھی محروم ہیں - کیا ہم اپنے قول و فعل کے تضاد کو برقرار رکھ کر اللہ تعالیٰ کے غضب کو یونہی دعوت دیتے رہیں گے ؟ - آیئے آج فیصلہ کر لیں کہ جو ہونا تھا' ہو چکا - اب ایسا نہیں ہو گا - آیئے اللہ کی جناب میں توبہ کریں اور اس موقع سے فائدہ اٹھائیں جو حسن اتفاق سے ہمیں آج میسر آ گیا ہے -

موجودہ دستور کی رو سے ۲۴ جون ۱۹۹۰ء کو وفاقی شرعی عدالت آزاد ہوئی کہ مالیاتی قوانین کو بھی شریعت کے معیار پر پرکھ کر دیکھے اور ان میں سے سود' جوئے' سٹے اور سرمایہ داری و جاگیر داری جیسے لعنتی کھوٹ کو نکال باہر کرے جو ایک طرف ہمارے معاشرے کی خباثتوں کی جڑ بنیاد ہے اور دوسری طرف ہمیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے باغیوں کی صف میں کھڑا کئے ہوئے ہے - اندیشہ ہے کہ ہمارا برسر اقتدار گروہ مل جل کر اسلام کے عادلانہ معاشی نظام کے نفاذ کے اس دستوری اور عدالتی راستے کو بند رکھنے کے لئے مالیاتی قوانین کو وفاقی شرعی عدالت کے دائرہ اختیار سے باہر رکھنے کی مدت میں اضافہ کر دے گا کیونکہ حزب اقتدار والے ہوں یا حزب اختلاف والے' دونوں ہی موجودہ فاسد اور غیر منصفانہ مالیاتی نظام سے لامحدود ناجائز فائدے اٹھا رہے ہیں - یہ وقت ہے کہ ہم اللہ اور رسول سے اپنی وفاداری اور اسلام سے اپنی وابستگی کا ثبوت پیش کریں اور قومی اسمبلی سے مطالبہ کریں کہ وفاقی شرعی عدالت کے ہاتھ کھول دیئے جائیں - ہمیں یقین ہے کہ عدالت جوئے' لاٹری اور سٹے جیسی خباثتوں کو توفی الفور خلاف اسلام قرار دے کر ملکی معیشت سے خارج کر دے گی اور سرمائے کے سود اور زمین کے سود جیسی لعنتوں کے بارے میں فیصلہ دے کر ان کے خاتمے کی مناسب مہلت دے گی جنہوں نے امیر کو امیر تر اور غریب کو غریب تر بنا دیا اور جو ہماری معیشت' سیاست' معاشرت بلکہ پوری اجتماعی زندگی کو تباہ و برباد کئے دے رہی ہیں -

خطوط اور تاروں کے ذریعے صدر پاکستان' قومی اسمبلی کے سپیکر' وزیر اعظم' اسلامی جمہوری اتحاد کے سربراہ اور متحدہ پارلیمانی اپوزیشن کے قائد پر زور دیجئے کہ وفاقی شرعی عدالت پر عائد اس پابندی کو ۲۵ جون کے بعد ایک دن کے لئے بھی نہ بڑھایا جائے - گلی محلوں میں چھوٹے بڑے جلسے کر کے اسی مطالبے پر مشتمل قرار دادیں اخبارات سمیت سب کو بھجوائیے... شاید کہ عذاب الٰہی کو ٹالنے کی کوشش کا یہ آخری موقع ہو! -

اس جلسے اور جلوس میں اخبارات کو تنظیم اسلامی کے کارکنوں یا ہمدردوں کی طرف سے کوئی "الٹی میٹم" جاری نہیں ہوا - کیا "سیاست" میں پہنچنے کی یہی باتیں ہیں؟ - سیاست کے مروجہ انداز تنظیم اسلامی نے اختیار ہی نہیں کئے - شاید "سیاسی کامیابیاں" اس کے پیش نظر ہیں ہی نہیں! -

(بشکریہ ہفت روزہ ندا لاہور)

شہداد پور (سندھ) میں مقیم ایک دوست کے نام

لطف الرحمٰن خاں صاحب کا مکتوب

برادر عزیز ۔ السلام علیکم ۔

تمہارا خط کل ملا تھا ۔ آج رجسٹرڈ پارسل سے کتابیں روانہ کر دی ہیں ۔ امید ہے انشاء اللہ مل گئی ہوں گی ۔

سندھ کے حالات کا تخوبی علم ہے اور وہاں کے لوگ جس عذاب میں مبتلا ہیں اس کا بھی اندازہ ہے ۔ تم نے دعا کے لئے لکھا ہے اور تمہاری تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ آج کل تمہارا گزارا صرف دعا پر ہے ۔ میرے بھائی اگر صرف دعا سے مسئلے حل ہو جاتے تو آج روئے زمین پر مسلمانوں سے زیادہ آسودہ حال کوئی قوم نہیں ہوتی ۔ لیکن حقیقت بالکل برعکس ہے ۔ ایسا اس لئے ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ وہ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت کو بدلنے کے لئے جدوجہد نہ کرے ۔ اسی کا نام "جہاد" ہے ۔ شمشیر و سناں والی جدوجہد کو "قتال فی سبیل اللہ" کہتے ہیں ۔ اور آج یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو گئی ہے کہ جب تک "عبادات" کے ساتھ "جہاد" شامل نہ ہو "فلاح" نصیب نہیں ہو سکتی ' نہ اس عارضی زندگی میں اور نہ ہی دائمی زندگی میں ۔

صرف سندھ نہیں بلکہ پورے پاکستان میں آج جو حالات ہیں وہ ہمارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہیں ۔ اگر ہم ایمانداری سے تجزیہ کریں تو ماننا پڑتا ہے کہ گذشتہ چالیس بیالیس سال میں ہم نے اپنی تمام توانائیاں اور ساری صلاحیتیں صرف دولت کمانے اور جائداد بنانے کے لئے وقف کر رکھی تھیں ۔ اس کے علاوہ ہم نے نہ کچھ سوچا اور نہ کچھ کیا ۔

دولت کمانا اور جائداد بنانا فی نفسہٖ برا نہیں ہے ۔ شرط صرف یہ ہے کہ حدِ اعتدال کے اندر ہو ۔ ہمارا المیہ یہ ہے کہ اس MAD RACE میں ہم اعتدال تو کیا اس کی انتہاؤں سے بھی آگے نکل گئے ۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے چائے میں اگر اعتدال کے ساتھ چینی ڈالی جائے تو اس کی کڑواہٹ ختم ہو جاتی ہے اور وہ خوش ذائقہ ہو جاتی ہے ۔ لیکن یہی چینی اگر اعتدال سے زیادہ ہو جائے تو چائے پھر کڑوی ہو جاتی ہے ۔ اگر ہم یہ مان لیں کہ ہم نے اپنی چائے اپنے ہاتھوں سے کڑوی کی ہے تو پھر اصلاح آج بھی ہو سکتی ہے ۔ اپنی غلطی کو پہچاننے اور ماننے کے بعد ہی یہ ممکن ہو گا کہ ہم اعتدال کی راہ کو تلاش کریں اور اسے اپنانے کی جدوجہد کریں ۔ ہم میں سے کچھ لوگ اگر خلوص نیت سے اس جدوجہد میں مصروف ہو جائیں تو پھر امید کی جا سکتی ہے کہ اللہ تعالےٰ ہماری دعائیں بھی سنے گا ۔

تمام دنیا کے فلسفے اور نظریات چھان مارو تمہیں اعتدال کہیں نہیں ملے گا۔ یہ اگر کہیں ہے تو صرف قرآن میں۔ اُس قرآن میں جسے عقل سلیم نے سمجھا ہو اور جو دل میں اتر گیا ہو۔ فہم قرآن کے نور کے بغیر نہ تو ہم اعتدال کی راہ تلاش کر سکتے ہیں اور نہ ہی اس کی شناخت کر سکتے ہیں۔ اگر ہم قرآن کی طرف پلٹ آئیں تو اب بھی ہمارے حالات سدھر سکتے ہیں۔ حالات بظاہر کتنے بھی مایوس کن اور حوصلہ شکن ہوں لیکن ابھی ہمارا Point Of No Return نہیں آیا ہے۔ ابھی ہم Better Late Than Never کے مرحلے میں ہیں۔ بحیثیت قوم ہماری مہلتِ عمل کے کچھ دن ابھی باقی ہیں۔ اس سے فائدہ اٹھانا ہم سب کی ذمہ داری ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے اور اس وقت یہ ضرورت انتہائی شدید ہے کہ ہم میں سے کچھ کھڑے ہوں، ہمت کریں اور قرآنی علوم حاصل کرنا شروع کریں۔ ساتھ ہی اپنے حلقہ میں ایک ایک فرد کو قرآنی علوم کے حصول کے لئے آمادہ کرنے کی کوشش کریں۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ لوگ انکار کریں گے اور مذاق اڑائیں گے لیکن اس بات پر گولی کوئی نہیں مارے گا۔ اس کوشش میں جو بھی چند لوگ تمہارے ساتھ آئیں گے وہی ایک خوشگوار تبدیلی کا عنوان بنیں گے۔ کسی بھی تبدیلی یا انقلاب کی ابتدا ہمیشہ چند افراد کے ہاتھوں ہی سے ہوتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب پہلی مرتبہ توحید کا نعرہ بلند کیا تھا تو وہ تنہا تھے۔ ابتداءً ان کی آواز پر لبیک کہنے والے افراد کل چار تھے۔ دس سال کی محنت کے بعد بھی صحابہ کرام کی تعداد سو سے زیادہ نہیں تھی۔ پھر ان لوگوں نے جو انقلاب برپا کیا اس کی کوئی دوسری مثال تاریخ انسانی میں نہیں ملتی۔ اس لئے ضرورت اس بات کی بھی ہے کہ ہم خیال لوگوں کی تعداد سے بے نیاز ہو کر کام کیا جائے۔ اور آخری بات بھی انتہائی اہم ہے کہ کم از کم ہم اس کام میں کسی قسم کے تعصب سے کام نہ لیں۔

تم شاید سوچ رہے ہوگے کہ یہ کام کرنے کے لئے تارک الدنیا ہونا پڑے گا۔ اور بیوی بچوں کی ذمہ داری ہوتے ہوئے ترکِ دنیا ممکن نہیں ہے۔ لیکن یہی ہماری سب سے بڑی بھول ہے کہ ہم نے دین اور دنیا کو الگ الگ خانوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ایک کو حاصل کرنے کے لئے دوسرے کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ حالانکہ دین تو ہے ہی اس دنیا کے لئے۔

حقیقت یہ ہے کہ روزی کماتے ہوئے اور بیوی بچوں کی ذمہ داری پوری کرتے ہوئے ہی یہ کام ہونا چاہئے۔ کم از کم اسلام کا تو یہی تقاضا ہے۔ دنیا ترک کر کے اللہ کی رضا تلاش کرنا نصاریٰ کا فلسفہ ہے، مسلمانوں کا نہیں۔ ایمانداری سے سوچو اور خود اپنے آپ کو جواب دو کہ دفتری اور کاروباری مصروفیات کے دوران کیا ہم موسم، کرکٹ اور سیاست پر بات نہیں کرتے؟ کیا اسی بات کا رخ قرآنی علوم کے حصول کی ترغیب کی طرف نہیں موڑا جا سکتا؟ کیا اس کام کے لئے کسی اور زندگی کا انتظار ہے؟ روزمرہ کی زندگی میں مختلف مواقع پر ہم لوگوں کو تحفے دیتے ہیں۔ کیا انہی تحفوں کو قرآنی کتب اور

کیسٹ میں تبدیل نہیں کیا جا سکتا؟ کلر وبلر کے ہی سلسلہ میں ہم سفر کرتے ہیں۔ کیا سفر کے دوران ہم مطالعہ نہیں کر سکتے، کیسٹ نہیں سن سکتے؟ کیا اپنے ۲۴ گھنٹوں میں صرف ایک گھنٹہ الگ نہیں کر سکتے؟ ان میں سے کوئی بھی بات ناممکن نہیں ہے۔ سب کچھ ممکن ہے اور ہر پڑھے لکھے انسان پر فرض عین ہے۔ بات صرف ارادہ اور پختہ ارادہ کی ہے۔ ارادہ پختہ ہو تو راستے نکل آتے ہیں۔ بلکہ میں تو اس کا قائل ہوں کہ :۔

Either I Will Find Out A Way, Or I Will Make One

بات عزم اور حوصلے کی ہے۔ اگر حالات کے ساتھ بہنا چاہتے ہو تو پھر حالات جو کچھ بھی دکھائیں اسے برداشت کرنے کی عادت ڈالو۔ اور اگر حالات کو بدلنے کا حوصلہ ہے تو آگے بڑھو اور کام شروع کرو پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کرو۔

کام شروع کرنے کے سلسلہ میں جس قسم کی بھی راہنمائی اور تعاون کی ضرورت ہو میں ہر طرح سے حاضر ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمارا مددگار ہو۔

لطف الرحمٰن، ۱۱ بجے۔

اِسی کشمکش میں گزریں مری زندگی کی راتیں
کبھی سوز و سازِ رومی کبھی پیچ و تابِ رازی

ایک دردمند نوجوان کا سبق آموز خط

جناب ڈاکٹر صاحب

السلام علیکم!

بعد از سلام حمد و ثنائے رب جلیل اور لاکھوں رحمتیں ہوں اس آقائے نامدار کی ذات اقدس پر جن کی آمد سے انسانیت کو وہ مقام ملا جس کا وہ استحقاق رکھتی تھی مگر اپنی ہی غفلتوں، بداعمالیوں اور انفرادی و اجتماعی بگاڑ کی بدولت اس مقام سے محروم تھی۔

گرامی قدر! نہایت ہی مہربانی ہو گی کہ اگر آپ زندگی کے مصروف ترین اور قیمتی اوقات سے چند ساعتیں اس خط کی نذر کریں۔ میری زندگی کی ۲۱ بہاریں گذر چکی ہیں جو موسموں کی تبدیلیوں اور نشیب و فراز سے پر تھیں۔ آج جب اپنے ماضی کی طرف دیکھتا ہوں تو جسم پر ایک کپکپی سی طاری ہو جاتی ہے، کہ

اگر دنیا کا قیام اسی طرح گذر جاتا اور صالحات سے خالی نامۂ اعمال واپس مل جاتا تو کیا بنتا۔ اگرچہ اب بھی پارسائی کا دعویٰ نہیں، مگر اس خوف کے ساتھ ہی ایک سکون کا جھونکا بھی دماغ کو معطر کر دیتا ہے کہ چلو برائی دیکھ کر صراط مستقیم دیکھنا نصیب ہوا، لہٰذا اس کی قدر و قیمت کا احساس بھی مضبوط ہو گا اور اطمینانِ قلب بھی حاصل ہو گا۔ اس عظیم تبدیلی کا محرک اسلامی جمعیت طلبہ بنی۔ اب میں جمعیت کا امیدوار رکن ہوں۔ مولانا مودودیؒ کی اکثر کتب کا مطالعہ کر چکا ہوں۔ آپ کے میثاق اور حکمت قرآن کا باقاعدہ قاری ہوں، اگرچہ خریدار نہیں۔

محترمی! جمعیت کے نزدیک مجھے جو چیز لے کر آئی تھی اور میرے خیالات کی تبدیلی کا محرک بنی تھی وہ یہ ہے کہ جب نبی اکرمؐ کی بعثت سے قبل کی انسانیت کا مطالعہ کیا اور ان لوگوں کی انفرادی سیرتوں اور اجتماعی کردار کے بگاڑ کو دیکھا، بعد ازاں نئی قائم شدہ سلطنت مدینہ کے ایک عام شہری کی سیرت اور بحیثیت مجموعی اس پہلی اسلامی ریاست کا بین الاقوامی پلیٹ فارم پر اصولی کردار دیکھا تو پتہ چلا کہ آج بھی انسانیت کے دکھوں کا مداوا ایسی تبدیلی ہے۔ چنانچہ میرے دل میں بھی اس تبدیلی کی خواہش پیدا ہوئی اور جمعیت کے ساتھ چلانے میں محرک بنی۔ جمعیت میں آ کر مظاہرے بھی کئے، جماعت اسلامی کے جلسوں میں نعرے بھی لگائے، انقلاب کو آوازیں بھی دیتے رہے۔ کچھ ایسے افعال بھی کئے جو ضمیر کے خلاف تھے مگر نظم کا تقاضا تھا۔ لیکن الحمدللہ عام جماعتوں کے کارکنوں کی طرح اندھی تقلید اور "رنگروٹ" والی سوچ مجھ میں پیدا نہ ہوئی۔ لیکن میں نے جو کچھ قرآن مجید، مطالعہ حدیث، سیرت کی کتب، مدینے والی ریاست، اس کے باشندوں اور ان کے باہمی معاملات کا مطالعہ کیا وہ عملی طور پر اپنی اجتماعیت میں نظر نہ آئے۔ انقلاب کے لئے جن اجتماعی اور انفرادی اوصاف کی ضرورت ہے وہ میں نہ دیکھ سکا۔ انقلاب علیٰ منہاج النبوۃ کے جو لازمی مقتضیات ہیں وہ مجھے نظر نہ آئے۔ میں نے بعض لوگوں کی مخالفت کے باوجود ان خیالات کو کھلے عام بیان کرنا شروع کر دیا۔

اب میں نے بالکل مختلف انداز میں سوچنا شروع کیا (یہ سوچ آپ کو اچھی لگے یا بری) کہ وہ مدینے والی اجتماعیت دنیا میں تھی بھی یا محض ایک افسانوی کہانی ہے جس کو مذہبی جنون میں حقیقت کا رنگ دیا جاتا ہے؟ اس طرح میں اشتراکیت کے قریب جا رہا تھا مگر خدا کا فضل ہوا اس نے گمراہی سے بچا لیا۔ یعنی میں اس کام کو چھوڑنے کی بجائے اس فیصلہ پر پہنچا کہ اپنے گاؤں کی سطح پر اس اجتماعیت کی کوشش کرتا ہوں۔ بفضلہٖ تعالیٰ تھوڑی سی محنت کے بعد میں نے ایسی اجتماعیت تیار کر لی جو مجھے بذات خود بھی منفرد دکھائی دینے لگی۔ اس لئے نہیں کہ یہاں میری محنت تھی بلکہ بنفسہٖ ہمارے حلقہ کے لوگ دوسرے حلقہ جات سے جدا نظر آنے لگے۔ یہ بھی حقیقت تھی کہ ہمارا حلقہ ملکی سطح کی بڑی اجتماعیت کا حصہ تھا جب دیگر حلقہ جات سے میل جول وسیع ہوا تو تعریفی کلمات آنے لگے مگر خود میں ایک چیز محسوس کر رہا تھا کہ میں نے جس چیز سے بھاگ کر اپنے حلقہ میں کام کا آغاز کیا تھا وہ بگاڑ روایات کی شکل میں ہمارے حلقہ میں منتقل

ہو رہا ہے۔ میں ذاتی طور پر تنظیم کا حصہ ہونے کے سبب ان باتوں پر کھل کر تنقید بھی نہ کر سکتا تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو اپنے حلقہ کے اندر سوئے ظن کی سرخ آندھی چل پڑتی۔ دوسری طرف اپنے حلقہ کو سارے ملک کی تنظیم سے الگ بھی نہیں کر سکتا تھا کیونکہ میں یہ خود ہی کہتا تھا کہ یہ خیر کا بہترین سرمایہ ہے۔

اب تیسرا راستہ یہ تھا کہ میں نے ایک طرف دوسرے حلقہ جات کی اصلاح کا کام شروع کیا، لیکن وہ تو کڑی تنظیمی پابندیوں کے باعث میرے تنظیمی دائرہ کار تک ہی محدود رہ کر کیا جا سکتا تھا یعنی تحصیل کے اندر۔ اب ہوا یوں کہ میرے خلاف ایسی ہوا چلی کہ میرے اصلاحی کام پر شکوک و شبہات کی دھول پھینکتی چلی گئی اور ہمارا حلقہ بھی انسانوں کا ایک ایسا طائفہ بن گیا جو اپنا گروہی مفاد پہلے دیکھتا ہے اور اسلام کے مفاد کو بعد میں۔ جو اپنے گروہ کے راستے کو مقصدِ زندگی بنا لیتا ہے حالانکہ گروہ مقصدِ زندگی تک پہنچنے کے لئے ذریعہ کے طور پر بنائے جاتے ہیں۔ جو صرف مقصدِ زندگی کے حصول کی ترغیب پیدا کرنے کے لئے اور اس کے حصول میں مدد دینے کے لئے بنائے جاتے ہیں۔

میں نے اس اجتماعی بگاڑ پر جتنا بھی غور کیا ہے اس کی وجہ مصلحت آمیز سیاست کے سوا کچھ نظر نہیں آتا کیونکہ اگر یہ نہ ہو تو انفرادی معیار کا بلند ہونا یقینی ہو جاتا ہے اور انفرادی سطح پر یہ تبدیلی آ جائے تو اجتماعیت خود بخود بدل جاتی ہے۔ مثلاً اگر کارکن دوسرے کارکنان سے تعلق بنانے کے وقت یہ نہ سوچے کہ اس کا معاشرتی قد کاٹھ کتنا ہے، یہ کون سی برادری سے تعلق رکھتا ہے اور یہ اگلے الیکشن میں کیا اور کتنا کام دے گا۔ یا پھر اگر دریاں اٹھانے والے، نعرے لگانے والے، آگے پیچھے دوڑنے والے کارکنان علیحدہ ہوں اور بن ٹھن کر اسلامی انقلاب کی امید دلانے والے اور حکمرانوں کا سا انداز اختیار کرنے والے لوگوں کا ایک الگ گروپ ہو تو ایسی تنظیموں میں سے اخلاقیات کا خاتمہ ہو جاتا ہے کیونکہ پہلی قسم کی وجہ سے نیتوں کا مرکز بدل جاتا ہے اور دوسری قسم سے اس مٹی اٹھانے والے آقا کا معیار نہیں بنتا۔

اب میری حالت یہ ہے کہ سخت مضطرب ہوں۔ کبھی کبھی ذہنی کشمکش کی بدولت اتنی گمراہ کن سوچیں آنا شروع ہو جاتی ہیں کہ یہ ناممکن ہے کہ انسانوں کو مفادات کے بغیر ایک اجتماعیت میں پرویا جا سکے اور بعض دفعہ تو یہ خیالات بھی آنے لگتے ہیں کہ معاشی مفادات کے اشتراک کے بغیر منظم اور مضبوط اجتماعیت پیدا کرنا مشکل ہے۔ پھر نماز میں یہ آیت ورد زبان ہو جاتی ہے اھدنا الصراط المستقیم۔

آپ کو خط تحریر کرنے کے دو مقاصد ہیں۔ اولاً آپ میری بذریعہ خط رہنمائی فرمائیں کہ مجھے کیا کرنا چاہئے؟۔ ثانیاً میں بی اے میں پڑھتا ہوں اور تھوڑا بہت تحریر و تقریر کے شعبے سے بھی آشنا ہوں میں نے جب سے آپ کا مضمون "جہاد بالقرآن کے پانچ محاذ" پڑھا ہے یہ ارادہ کیا ہوا ہے کہ بقول شاعر۔

خوشتر آں باشد مسلمانش کنی　　کشتۂ شمشیرِ قرآنش کنی

یعنی میں پورے شعور وادراک کے ساتھ قرآن کی تعلیم حاصل کرنے کا ارادہ کر چکا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ قرآن کا علم حاصل کر کے ادیان عالم کے متعلق ریسرچ کروں، خواہ اس کے لئے پوری زندگی لگا دینی پڑے۔ مگر گھریلو حالات اور خصوصاً معاشی مجبوریاں اس کی راہ میں رکاوٹ بنی ہوئی ہیں۔ اگر آپ میری رہنمائی فرمائیں اور لاہور میں مجھے کوئی ہلکی سی ملازمت مل جائے تو میں اپنے ارادے کو عمل کا جامہ پہنا سکتا ہوں۔

میں نے خط میں جو دوسرا مقصد تحریر کر دیا ہے مجھے ڈر ہے کہ آپ سوئے ظن میں مبتلا ہو کر کہیں تمام خط کو اس کی تمہید نہ سمجھ لیں، لہٰذا آپ کے اس متوقع گمان سے بچنے کے لئے وضاحت کر رہا ہوں کہ اختلاف مجھے آپ کے نظریات سے بھی ہے، جو بعد میں آپ کے سامنے ظاہر کرنے کا ارادہ ہے۔ ایک گروہ مصلحت آمیز سیاست کا شکار ہو چکا ہے اور آپ نے اصولی سیاست کو بھی گناہ ٹھہرا لیا ہے۔ بہر حال یہ لمبی باتیں ہیں جو بحکم الٰہی بالتفصیل بالمشافہ ملاقات پر ہوں گی۔

اپنی آہ سحر گاہی کی دعاؤں میں صرف ایک بار ہمارا حصہ بھی کر دیں

آپ کا بھائی "ق"۔ گجرات

بقیہ : الھُدیٰ

رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ۔" اللہ چن لیتا ہے، پسند کر لیتا ہے فرشتوں میں سے بھی اپنے ایلچی اور پیغامبر اور انسانوں میں سے بھی ۔ اور یہاں فرمایا : "هُوَ اجْتَبٰكُمْ" اے مسلمانو، اے ایمان کے دعوے دارو اب تم چن لیے گئے ہو، تمہارا انتخاب ہو گیا ہے ایک عظیم مقصد کے لیے ۔ وہ عظیم مقصد کہ جو اس آیۂ مبارکہ کے اگلے الفاظ میں تفصیل کے ساتھ زیرِ بحث آئے گا۔ (جاری ہے)

ضرورت رشتہ

: تعلیم یافتہ۔ دین دار اور معزز خاندان کی ہمہ صفت تعلیم یافتہ بیٹی کے لیے مخلص، متقی اور موحد گھرانہ سے موزوں کنوارہ رشتہ درکار ہے۔ والدین پہلے ہی خط میں مکمل کوائف سے آگاہ فرمائیں۔

"م"
معرفت ماہنامہ میثاق
۳۶۔کے ماڈل ٹاؤن، لاہور

نام بھی اچھا — کام بھی اچھا
صوفی سوپ ہے سب سے اچھا

صوفی سوپ

اُجلی اور کم خرچ دھلائی کے لیے بہترین صابن

صوفی سوپ اینڈ کیمیکل انڈسٹریز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
تار: صوفی سوپ ٹیلکس:
۳۹۔ فلیمنگ روڈ۔ لاہور۔ ٹیلی فون نمبر: ۲۲۵۴۴۷۔ ۵۴۵۲۳

HOUSE OF QUALITY BEARINGS

KHALID TRADERS

IMPORTER, INDENTOR, STOCKIST, SUPPLIER,
OF ALL KINDS OF BALL, ROLLER & TAPER BEARINGS

WE HAVE :
- BEARINGS FOR ALL INDUSTRIES & MARINE ENGINES.
- AUTOMOTIVE BEARINGS FOR CARS & TRUCKS.
- BEARINGS UNIT FOR ALL INDUSTRIAL USES.
- MINIATURE & MICRO BEARINGS FOR ELECTRICAL INSTRUMENTS.

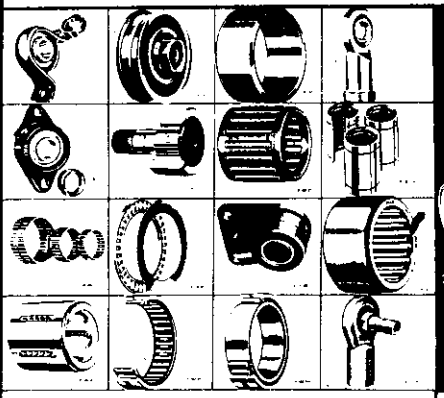

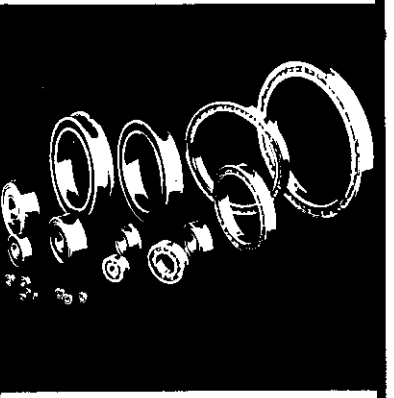

PRODUCTS

EZO HIGH PRECISION

MINIATURE BEARINGS
EXTRA THIN TYPE BEARINGS
FLANGED BEARINGS
BORE DIA .1 mm TO 75 mm

DISTRIBUTOR

RCD KBC EZO

STOCKIST

NACHI NSK SKF NTN

CONTACT : TEL. 732952 - 735883 - 730595
G.P.O BOX NO.1178.OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI - PAKISTAN
TELEX: 24824 TARIQPK. CABLE: DIMAND BALL.

Jawad
Products

We are manufacturing and exporting ready made garments (of all kinds including shirts, trousers, blouses, jackets, uniforms, hospital clothing; kitchen aprons), bedlinen, cotton bags, textile piece goods etc.

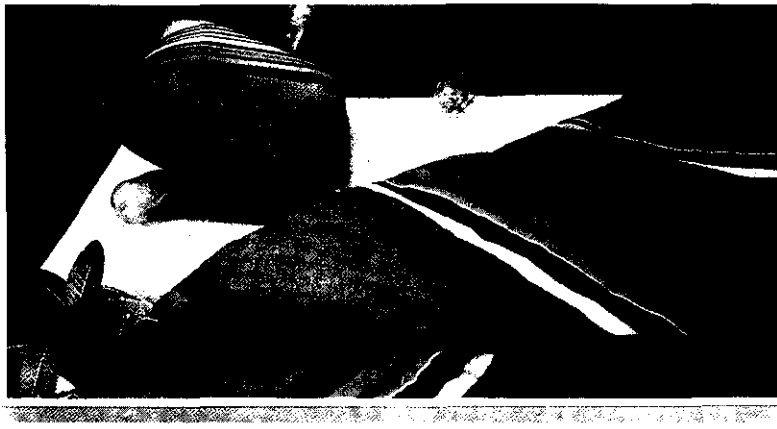

For further details write to :

M/s. Associated Industries (Garments) Pakistan (Private) Ltd.,
IV/C/3-A (Commercial Area),
Nazimabad,
Karachi - 18
Tele : 610220/616018/625594

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

Regd.L.No 7360
VOL. 39 NO. 7
JULY 1990